پکار

جبران خلیل جبران

حبیب اشعر

آئینۂ ادب لاہور

پکار ـــــــ !

جبران خلیل جبران عربی زبان کے نامور ادیب ہیں۔ اردو ادب میں ان کے تراجم، ریت اور جھاگ، پرچھائیں، اشک و تبسم، دیوانہ، دلھن کی سیج، شیطان اور النبی کئی بار چھپ کر شائقین ادب سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

پکار جبران خلیل جبران کا دلچسپ مقبول عام ناولٹ ہے ـــــ رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات جسے فراموش کر دینا ممکن نہ ہوگا۔ انداز بیان دلفریب۔

م، ع، سلام

سرورق : سلامی

پکار

جبران خلیل جبران

ترجمہ

حبیب اشعر دہلوی

آئینۂ ادب، چوک مینار، انارکلی، لاہور

جملہ حقوق محفوظ

تعداد: ۱۱۰۰

۱۹۶۰ء

باھتمام
م، ع، سلام۔ آئینہ ادب
چوک مینار۔ انارکلی
لاہور

(اشرف پریس لاہور پرنٹر شیخ محمد اشرف چھپی) حر

(۱)

شیخ عباس شمالی لبنان کے ایک گاؤں میں رہتا تھا غریب دیہاتیوں پر اُسے وہی اقتدار حاصل تھا جو رعایا پر بادشاہ کو ہوتا ہے۔ ان کی چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں میں اس کا مکان ایسا معلوم ہوتا تھا گویا بالشتیوں میں دیو کھڑا ہے۔ اس کا طرزِ زندگی، ان کے طریقِ بود و ماند سے اسی قدر ممتاز تھا جس قدر ممتاز غریبی سے امیری ہوتی ہے، اور اس کا اخلاق اُن کے اخلاق سے اسی حد تک مختلف تھا جس حد تک طاقت کمزوری سے مختلف ہوتی ہے۔

اگر شیخ عباس ان بے مایہ کسانوں سے کوئی بات کہتا تو وہ سرِ تسلیم

اس طرح خم کر دیتے گویا ان کی عقلی قوتیں تعمیلِ ارشاد کے لئے حاضر ہیں۔ اور اس کی زبان انھیں کی ترجمانی کر رہی ہے، اور اگر ان پر ناراض ہوتا تو مارے خوف کے لرزنے لگتے۔ اور اس کے سامنے سے اس طرح بھاگتے جیسے خزاں کے زرد پتے ہوا کے جھونکوں سے اِدھر اُدھر اڑتے ہیں۔ وہ اگر کسی کے گلے پر طمانچہ مار دیتا تو پٹنے والا خاموش اور بے حس و حرکت کھڑا رہتا، گویا یہ آفت آسمانی آفت تھی۔ اس لئے آنکھ اُٹھا کر یہ دیکھنے کی جرات کرنا کہ طمانچہ کس نے مارا ہے، کفر ہے اور اگر وہ کسی پر مُسکرا دیتا تو سب کہتے:

"یہ نوجوان کتنا خوش نصیب ہے کہ شیخ عباس اس پر مہربان ہو گیا۔"

ان غریبوں میں شیخ عباس کی اطاعت کا یہ جذبہ اور اس کی سنگ دلی کا اس درجہ خوف صرف اس وجہ سے نہ تھا کہ شیخ طاقت ور تھا اور وہ کم زور۔ بلکہ اس کا ایک سبب —— اہم سبب —— یہ بھی تھا کہ وہ غریب تھے اور شیخ کے دستِ نگر۔ جن زمینوں میں وہ کھیتی باڑی کرتے اور جن جھونپڑیوں میں وہ رہتے سہتے تھے، وہ سب شیخ عباس کی ملکیت تھیں۔ اسے یہ تمام جائداد اپنے آبا و اجداد سے ورثہ میں ملی تھی۔ جس طرح ان غریبوں کو اپنے باپ دادا سے محتاجی و بدبختی ورثہ میں ملی تھی۔

وہ اس کی نگرانی میں زمین بوتے اور جوتتے تھے اور اسی کی نگرانی میں کھیت کاٹتے تھے۔ لیکن اپنی اس ساری محنت و مشقت کا معاوضہ انہیں کیا ملتا تھا؛ تھوڑا سا غلّہ! جو انہیں بھوک کے چنگل سے بھی نہ بچا سکتا تھا۔ اُن میں سے اکثر تو جاڑوں کا طویل موسم ختم ہونے سے پہلے ہی ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج ہو جاتے اور ایک دینار یا ایک مکیال[1] گندم قرض لینے کے لئے یکے بعد دیگرے شیخ کے سامنے جا کر روتے اور گڑگڑاتے تھے۔ شیخ عباس ان کی ضرورت خوشی خوشی پوری کر دیتا، کیونکہ جانتا تھا کہ آئندہ فصل پر ایک دینار کے دو دینار ہو جائیں گے اور ایک مکیال گندم کے دو مکیال۔

اس طرح وہ قسمت کے مارے شیخ عباس کے قرض تلے دبے رہتے تھے، اس کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور تھے۔ اس کے غیظ و غضب سے کانپتے اور اس کی رضا جوئی کے طلب گار تھے۔

[1] ملک شام کا ایک پیمانہ

(۲)

موسم سرما آندھیوں اور برف باریوں کو اپنے جلو میں لے کر آیا۔ کھیتوں اور وادیوں میں کائیں کائیں کرتے کوّوں اور بے برگ و بار درختوں کے سوا کچھ نہ رہا۔ اس گاؤں کے غریب باشندے شیخ عباس کے مودی خانے غلے سے اور مٹکے انگور کے رس سے بھر کر اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔ لے دے کے اب اُنہیں ایک ہی کام رہ گیا تھا کہ الاؤ کے پاس بیٹھ کر بیتی باتیں یاد کریں۔ اِدھر اُدھر کے واقعات ایک دوسرے کو سُنا کر زندگی کے دن بسر کریں۔

دسمبر کا مہینہ اور اس کے ساتھ بوڑھا سال خاکستری فضاء میں

اپنے آخری ٹھنڈے سانس بھر کر گزر گیا اور وہ رات آگئی جس میں زمانہ نئے سال کے بچے کو تاج پہنا کر ہستی کے تخت پر بٹھاتا ہے۔

مدھم روشنی روپوش ہو گئی اور تاریکیوں نے وادیوں میں چھاؤنی چھالی۔ برف شدت سے پڑنے لگی اور ہوا برف کو اپنے ساتھ لیئے ہانپتی کانپتی، پہاڑ کی بلندیوں سے نیچے اترنے لگی، تاکہ نشیبی حصوں کو پُر کر دے۔ درخت اس کی ہیبت سے کانپنے لگے اور زمین اس کے قدموں میں تڑپنے لگی۔ ہوا کے جھونکوں نے اس دن کی پڑی ہوئی اور اس رات کو پڑنے والی برف کو گڈمڈ کر دیا۔ یہاں تک کہ میدان ٹیلے اور راستے ایک سفید صفحہ کی مثال ہو گئے۔ جس پر موت مبہم سطریں لکھتی ہے اور مٹا ڈالتی ہے۔ کہر نے وادی کے کنارے پھیلے ہوئے گاؤں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ مکانوں اور جھونپڑیوں کی کھڑکیوں سے آتی ہوئی مدھم روشنیاں چھپ گئیں۔ کسانوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ مویشی چارہ کی ناندوں کے قریب ہو بیٹھے۔ کتے کونے کھدروں میں جا چھپے اور سائیں سائیں کرتی ہوئی ہوا کے سوا، جو غاروں کے کانوں میں گونج رہی تھی، کچھ باقی نہ رہا۔ چنانچہ اس کی ہیبت ناک آواز وادی کی گہرائیوں سے اٹھتی اور پہاڑیوں کی بلند چوٹیوں

سے ٹکرا کر واپس آجاتی۔ گویا فطرت بوڑھے سال کی موت پر غضب ناک ہے۔ اور جھونپڑیوں میں چھپی ہوئی زندگی سے اس کا انتقام لینے کے لئے کھڑی ہوگئی ہے۔ پالے کا جاڑا اور شدید خنکی اس کے ہتھیار ہیں، جن کے ذریعے وہ دشمن پر حملہ کر رہی ہے۔

اس خوف ناک رات اور اس ہیجان انگیز فضاء میں ایک بائیس سالہ نوجوان اس چڑھائی پر جا رہا تھا جو قدیجا[1] کے ہیکل سے شیخ عباس کے گاؤں کی طرف جا رہی تھی۔ سردی نے اس کے جوڑ جوڑ کو خشک کر دیا تھا۔ بھوک اور خوف نے اس کی قوتیں سلب کر لی تھیں اور برف نے اس کے سیاہ کپڑوں کو اس طرح چھپا دیا تھا گویا اُسے مارنے سے پہلے ہی کفنا دینا چاہتی ہے۔ وہ آگے قدم بڑھاتا تھا لیکن ہوا اُسے پیچھے دھکیل دیتی تھی —— یعنی نہیں چاہتی تھی کہ اسے زندہ مخلوق کے مکانوں میں دیکھے۔ دشوار گذار راستہ اس کے پاؤں پکڑے لیتا تھا۔ وہ دو چار قدم چلتا اور گر پڑتا۔

---

[1] یہ لبنان کا سب سے مشہور اور سب سے مالدار گرجا ہے جس کی آمدنی ہزاروں دینار ہے۔ اس میں سینکڑوں پادری رہتے ہیں جنہیں "بلدین" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ "قدیجا" سریانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں "زندگی کی جنت"۔

اُٹھتا اور مدد کے لئے چلاتا۔ سردی کے مارے اس کی آواز بیٹھ جاتی اور وہ خاموش و لرزاں کھڑا ہو جاتا۔ گویا جنگ آزما عناصر کے مقابلے میں اس کی وہی حیثیت ہے، جو گہرے غم اور انتہائی مایوسی میں کمزور امید کی ہوتی ہے۔ یا پھر یہ کہ وہ ایک پر شکستہ چڑیا تھا، جو دریا میں گر پڑے۔ اور تند و تیز موجیں اسے گہرائیوں میں لے جائیں۔

نوجوان چلتا رہا، موت اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ آخر کار اس کی قوتیں جواب دے گئیں، ارادہ میں اضمحلال پیدا ہو گیا۔ خون رگوں میں جم گیا اور وہ برف میں گر کر خوف ناک آواز میں چلانے لگا، جو اس کے جسم کی باقی ماندہ قوت حیات کی حامل تھی۔ —— اس خوف زدہ کی آواز تھی جو موت کے سائے کو اپنے سامنے کھڑا دیکھے —— اس مایوس مرنے والے کی آواز تھی، جسے تاریکی فنا کر دے اور آندھی کا ایک جھکڑ جہنم میں پھینکنے کے لئے اڑا لے جاتے۔

(۳)

اس گاؤں کی شمالی جانب، کھیتوں میں ایک چھوٹی سی تنہا جھونپڑی تھی، جس میں راحیلؔ نامی ایک عورت اپنی بیٹی مریمؔ کے ساتھ رہتی تھی، جس کی عمر اٹھارہ برس سے زیادہ نہ تھی۔ راحیل سمعان کی بیوہ تھی، جو پانچ برس ہوئے جنگل میں مقتول پایا گیا تھا۔ لیکن قاتل ہنوز لاپتہ تھا۔

دوسری مفلس بیواؤں کی طرح راحیل بھی زندہ رہنے کے لئے محنت مزدوری کرتی تھی۔ چنانچہ فصل کٹنے کے زمانہ میں وہ گھر سے نکلتی اور کھیتوں میں جا کر گندم کے بچے کھچے دانے سمیٹتی۔ خزاں کا موسم آتا، تو باغوں میں پڑے ہوئے پھل جمع کرتی اور سردیوں میں چرخہ کاتتی

چند پیسوں یا سیر سوا سیر جَو کے عوض کپڑے سیتی، اس کے تمام کام صبر و استقلال اور توجہ سے انجام پاتے تھے۔ اس کی بیٹی مریم حسین و خاموش طبع لڑکی تھی، جو کام کاج اور گھرداری میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتی۔

اس خوف ناک رات میں، جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں، راحیل اپنی بیٹی کے ساتھ آتش دان کے پاس بیٹھی تھی۔ جس کی حرارت پر سردی نے غلبہ پا لیا تھا، اور دہکتے ہوئے انگاروں کو راکھ نے چھپا دیا تھا۔ ان کے سروں کے نزدیک ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ تھا، جس کی کمزور شعاعیں تاریکی کے دل میں در آرہی تھیں۔ جس طرح دعا کے وقت غم زدہ، مفلس کے کلیجہ میں تسکین کی پرچھائیاں در آتی ہیں۔

رات آدھی ہوگئی۔ وہ دونوں بیٹھی باہر سنسناتی ہوئی ہوا کا شور سن رہی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد لڑکی اٹھتی، چھوٹی سی کھڑکی کھول کر تاریک فضا کو دیکھتی اور پھر عناصر کی غضب ناکی سے ڈرتی، گھبراتی، اپنی جگہ آکر بیٹھ جاتی۔

ایک دفعہ لڑکی چونکی، گویا گہری نیند سے بیدار ہوئی ہے اور خوف زدہ ہو کر اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے گھبرا کر کہنے لگی:

"اماں! سُنا؟ کوئی آدمی مدد کے لئے چلا رہا ہے۔"

ماں نے اپنا سر اُٹھایا اور تھوڑی دیر کان لگانے کے بعد بولی،

"نہیں! بیٹی! ہوا کی سنسناہٹ کے سوا کوئی آواز مجھے نہیں سنائی دیتی!"

لڑکی نے کہا:

"میں نے ابھی ایک آواز سُنی ہے، جو ہوا کی سنسناہٹ سے زیادہ گہری اور آندھی کے شور سے زیادہ تلخ تھی!"

یہ کہہ کر وہ کھڑی ہوئی اور کھڑکی کھول کر تھوڑی دیر کان لگائے اس کے بعد بولی:

"اماں! وہی آواز پھر میرے کانوں میں آئی ہے۔"

ماں یہ کہتی ہوئی بے چین ہو کر کھڑکی کی طرف دوڑی:

"ہاں! اب کے میں نے بھی سُنی ہے ــــــ آؤ! دروازہ کھول کر دیکھیں!! ــــــ کھڑکی بند کر دو! کہیں چراغ، ہوا سے بجھ نہ جائے۔"

یہ کہہ کر ایک لمبی سی چادر لپیٹی اور دروازہ کھول کر ہمت اور

احتیاط سے قدم باہر نکالا۔ مریم دروازہ پر کھڑی رہی۔ ہوا کی موجیں اُس کے گُندھے ہوئے سر کے بالوں سے کھیل رہی تھیں۔

راحیل برف کو اپنے قدموں سے پھاڑتی، چند قدم چلی اور کھڑی ہو کر پکارنے لگی:

"یہ کون چلّا رہا ہے؟ ——— مدد کے لئے پکارنے والا کہاں ہے؟"

کسی نے جواب نہ دیا۔ اس نے دو تین بار یہی الفاظ دہرائے اور جب بگولوں کے شور کے سوا کوئی جواب نہ ملا تو ہوا کے تند و تیز جھونکوں سے اپنا چہرہ بچاتی اور اِدھر اُدھر دیکھتی، دل کڑا کر کے آگے بڑھی، وہ تیر کی سی تیزی سے چلی جا رہی تھی کہ اس نے برف پر کسی کے پاؤں کے نشانات دیکھے۔ اس خوف سے کہ ہوا اُنہیں کہیں مِٹا نہ دے، وہ انتشار و اضطراب کے عالم میں انتہائی سرعت کے ساتھ نقوشِ قدم کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک جسم برف پر اس طرح پڑا ہے جیسے سفید کپڑے پر سیاہ پیوند لگا ہو۔ وہ آگے بڑھی، اور اس پر سے برف ہٹائی۔ اس

کے سر کو اپنے گھٹنوں کا سہارا دے کر اپنا ہاتھ اس کے سینہ پر رکھا اور یہ دیکھ کر کہ اس کا دل بہت ہی آہستہ سہی لیکن دھڑک رہا ہے۔ جھونپڑی کی طرف مُنہ کیا اور چلّائی:

"آؤ مریم! میری مدد کے لئے آؤ!! میں نے اُسے ڈھونڈھ لیا ہے۔"

مریم گھر سے نکلی اور سردی اور خوف سے کانپتی ہوئی اپنی ماں کے نقشِ قدم پر ہولی۔ جب وہ اس جگہ پہنچی اور ایک نوجوان کو برف پر بے حس و حرکت پڑے دیکھا تو آہ بھر کر درد و غم سے چلّا اٹھی۔ راحیل نے اجنبی کی دونوں بغلوں میں ہاتھ دے کر کہا:

"ڈرو نہیں بیٹی! یہ زندہ ہے۔ اس کے دامن دونوں طرف سے پکڑ لو تاکہ ہم اسے گھر لے چلیں۔"

ان دونوں عورتوں نے نوجوان کو اٹھایا۔ ہوا اُنہیں آگے بڑھنے سے روک رہی تھی اور برف ان کے قدم پکڑے لیتی تھی۔ گھر پہنچ کر اُنہوں نے اسے آتش دان کے پاس لٹا دیا۔ ماں اُس کے جڑے ہوئے اعضا کی مالش کر کے اُنہیں گرمی پہنچانے لگی اور بیٹی اپنے

دامن سے اس کے گیلے کپڑوں اور ٹھنڈی انگلیوں کو خشک کرنے لگی۔
چند منٹ کے بعد اس میں زندگی کے آثار نمایاں ہوئے اور اس نے
قدرے حرکت کی۔ پلکیں ہلیں اور اس نے ایک گہری آہ بھری، جس
نے دو دردمند عورتوں کے دل میں اس کی صحت و سلامتی کی امید
پیدا کر دی۔ مریم نے اس کے ٹوٹے ہوئے جوتے کے بند کھولنے
اور بھیگی ہوئی عبا کو اتارنے کے بعد کہا:

"اماں! اس کے لباس کو دیکھنا! پادریوں کے لباس سے کتنا
ملتا ہے۔"

راحیل نے تھوڑی سی خشک لکڑیاں آتش دان میں ڈالتے ہوئے
اس کی طرف دیکھا اور تعجب سے کہنے لگی:

"پادری ایسی خوفناک رات میں گرجا سے نہیں نکلا کرتے۔ پھر
کیا بات ہے جو اس نے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالا؟"

لڑکی نے شبہ دور کرتے ہوئے کہا:

"مگر اماں! اس کے تو ڈاڑھی مونچھیں کچھ نہیں۔ حالانکہ پادریوں
کی ڈاڑھی تو بڑی گھنی ہوتی ہے۔"

ماں نے نوجوان کی طرف دیکھا۔ مادرانہ شفقت اس کی آنکھوں سے جھپک رہی تھی۔ ایک ٹھنڈا سانس بھر کر اس نے کہا:

"بیٹی! اس کے پاؤں اچھی طرح خشک کر دو۔ خواہ یہ پادری ہو یا مجرم!"

راحیل نے لکڑی کی الماری کھول کر اس میں سے ایک چھوٹی سی ٹھلیا نکالی، جو شراب سے بھری ہوئی تھی اور تھوڑی سی شراب ایک مٹی کے آبخورہ میں نکال کر اپنی بیٹی سے کہنے لگی:

"مریم! ذرا اس کے سر کو سہارا دینا۔ میں اسے تھوڑی سی شراب پلانا چاہتی ہوں تاکہ اس کے جسم میں ذرا گرمی آئے۔"

راحیل نے آبخورہ کا کنارہ نوجوان کے ہونٹوں سے لگایا، اور تھوڑی سی شراب اسے پلائی۔ نوجوان نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولیں اور پہلی مرتبہ اپنے بچانے والوں کو دیکھا۔ ایک لطیف اور غمگین نظر سے، جو حسین معرفت اور شکریئے کے ساتھ ساتھ نکل رہی تھی ــــــ اس شخص کی نظر سے، جو موت کے چنگل سے بچ جانے کے بعد زندگی کا لمس محسوس کرے ــــــ ناامیدی کے بعد امید کی

نظر سے۔ اس کے بعد اس نے اپنی گردن جھکائی، اور اس کے کانپتے
ہوئے ہونٹوں سے یہ کلمے ادا ہوئے:

"اللہ تم دونوں کو برکت عطا کرے!"

راحیل نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر کہا:

"بیٹا! جب تک تم میں اچھی طرح طاقت نہ آجائے، باتوں سے
اپنا جی ہلکان نہ کرو اور خاموش رہو۔"

اور مریم بولی:

"بھائی! اس تکیہ کا سہارا لے لو اور انگیٹھی سے ذرا قریب
ہو جاؤ۔"

نوجوان نے آہ بھرتے ہوئے تکیہ کا سہارا لیا اور تھوڑی دیر
بعد راحیل نے شراب سے گلاس بھر کر اسے دوبارہ پلایا۔ پھر اپنی
بیٹی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی:

"اس کی عباء کو سکھانے کے لئے انگیٹھی کے قریب رکھ دو۔"

مریم نے عباء آگ کے پاس رکھ دی اور پھر بیٹھ کر اُسے
شفقت و ہمدردی سے دیکھنے لگی۔ گویا اپنی نگاہوں سے اُس کے

کمزور جسم میں حرارت اور قوت پھونک دینا چاہتی ہے۔

راحیل دو روٹیاں اور شہد سے بھرا ہوا ایک پیالہ لے کر آئی، جس میں تھوڑے سے خشک پھل بھی تھے۔ اور اس کے پاس بیٹھ کر اپنے ہاتھ سے چھوٹے نوالے بنا کر اُسے کھلانے لگی۔ جس طرح ماں اپنے بچے کو کھلاتی ہے۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب نوجوان نے ذرا بشاشت محسوس کی تو فرش پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس کے زرد چہرے پر آگ کی گلابی شعاعیں پڑ رہی تھیں اور اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ سر ہلاتے ہوئے اس نے آہستہ سے کہا:

" رحم اور بے رحمی انسان کے دل میں اسی طرح جنگ آزما رہتے ہیں، جیسے اس رات کی تاریک فضا میں عناصر ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں۔ لیکن رحم بے رحمی پر غالب آئے گا۔ اس لئے کہ وہ صفات خداوندی میں سے ہے، اور صبح ہونے پر اس رات کی خوفناکیاں ختم ہو جائیں گی۔"

نوجوان ایک لمحہ کے لئے خاموش ہو گیا، اور اس کے بعد

دھنسی ہوئی آوازمیں، جو بڑی مشکل سے سُنائی دے رہی تھی،
کہنے لگا:

"انسانی ہاتھ نے مجھے موت کے منہ میں دھکیلا اور انسانی ہاتھ
نے مجھے بچایا۔ کتنی شدید ہے انسان کی بے رحمی اور کتنی بے پناہ
ہے اس کی شفقت و مہربانی۔"

راحیل نے ایک ایسی آواز میں، جس میں سکون کی شیرینی کے ساتھ
مادرانہ محبّت شامل تھی کہا:

"بیٹا! ایسی خوفناک رات میں تم نے گرجا سے نکلنے کی جُرأت کیسے
کی، جس سے ڈر کر بھیڑیئے غاروں میں بیٹھ گئے اور عقاب چٹانوں
میں جا چھُپے۔"

نوجوان نے اپنی آنکھیں بند کرلیں، گویا پلکوں پر لرزتے ہوئے
آنسوؤں کو اپنے دل کی گہرائیوں میں لوٹا دینا چاہتا ہے۔ اس کے
بعد کہا:

"لومڑیوں کے لئے بھٹے ہیں اور پرندوں کے لئے گھونسلے۔
لیکن آدم کی اولاد کے لئے کہیں سر ٹکانے کی جگہ نہیں۔"

راحیل نے کہا:

"یہی بات مسیح ناصری نے اپنے متعلق کہی تھی، جب ایک حواری نے ہر حال میں اُن کے ساتھ رہنے کی اجازت چاہی تھی۔"

نوجوان نے جواب دیا:

"اور یہی بات ہر وہ شخص کہے گا، جو اس جھوٹ، ریاکاری، اور فتنہ و فساد سے بھرے ہوئے زمانہ میں حق اور روح کی پیروی کرنی چاہے گا۔"

راحیل خاموش ہو گئی اور اس کے الفاظ کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔ پھر تردد آمیز لہجہ میں بولی:

"لیکن گرجا میں تو بہت سے بڑے بڑے کمرے ہیں، سونے چاندی سے لبریز خزانے ہیں، غلّہ اور شراب سے بھرے ہوئے تہ خانے ہیں۔ موٹے تازے مینڈھوں اور بچھڑوں سے بھری ہوئی باڑیں ہیں۔ پھر ایسی کیا بات ہے جو تم یہ ساری چیزیں چھوڑ کر اس ڈراؤنی رات میں گرجا سے نکلے؟"

نوجوان نے ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے کہا:

"میں نے ان تمام چیزوں پر لات ماردی اور گرجا سے نکل آیا۔"

راحیل نے کہا:

"راہب گرجا میں ایسا ہے، جیسے میدانِ جنگ میں سپاہی۔ اُس کا سردار اُسے بُرا بھلا کہتا ہے اور وہ سر جھکائے خاموش کھڑا رہتا ہے، اُسے حکم دیتا ہے اور وہ فوراً اس کی تعمیل کرتا ہے، بلکہ میں نے تو یہ سُنا ہے کہ آدمی اس وقت تک راہب ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک ارادہ، فکر، رغبت اور نفس کی ہر خواہش سے بے تعلق نہ ہو جائے۔ نیز یہ کہ نیک بشپ اپنے حلقہ بگوشوں سے کوئی ایسا کام نہیں لیتا، جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ پھر تو جیا کے بشپ نے تمہیں یہ حکم کیسے دیا کہ تم اپنی زندگی آندھیوں اور برف باریوں کے حوالے کر دو۔"

نوجوان نے جواب دیا:

"کوئی شخص اپنے مذہبی پیشوا کے نزدیک راہب نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس اندھے اور بہرے آلے کی شان نہ ہو جائے جس میں حس ہو نہ قوت۔ میں گرجا سے اسی لئے نکلا کہ آلہ نہ تھا، بلکہ

دیکھنے اور سُننے والا انسان تھا۔"

راحیل اور مریم اسے غور سے دیکھنے لگیں۔ گویا انہوں نے اس کے چہرے میں ایک مخفی راز پا لیا ہے۔ جسے وہ چھپانا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ماں نے متعجب ہوتے ہوئے پوچھا:

"کیا دیکھنے اور سُننے والا انسان ایسی رات میں نکل سکتا ہے، جو آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو بہرا کر دے؟"

نوجوان نے ایک آہ بھری اور اپنا سر سینہ کی طرف جھکا دیا۔ گہری آواز میں اس نے کہا:

"مجھے گرجا سے نکال دیا گیا!"

"راحیل نے خوف زدہ لہجہ میں پوچھا:

"نکال دیا گیا؟"

یہی الفاظ، ایک آہ کے ساتھ مریم نے دہرائے۔

نوجوان نے اپنا سر اُٹھایا، ان دونوں پر یہ حقیقت کے اظہار سے وہ شرمندہ تھا۔

اسے خوف تھا کہیں اس کے حال پر ان کی مہربانی نفرت د

حقارت سے نہ بدل جاتے۔ لیکن اس نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں
شوقِ دریافت کے ساتھ شفقت کی شعاعیں موجیں مار رہی ہیں۔
گھٹی ہوئی آواز میں اُس نے کہا:

"ہاں مجھے نکال دیا گیا۔ اس لئے کہ میں اپنے ہاتھوں اپنی قبر
نہ کھود سکا۔ اس لئے کہ میرا دل جھوٹ اور ریاکاری کی پیروی سے
اُکتا گیا۔ اس لئے کہ میرے نفس نے فقیروں اور مسکینوں کے مال
سے گلچھرے اُڑانا گوارا نہ کیا۔ اس لئے کہ میری روح جہالت کی
زنجیروں میں جکڑی ہوئی قوموں کی خیرات کو اپنی خوش کامی کا ذریعہ
بنانے سے باز رہی —— مجھے گرجا سے نکال دیا گیا۔ اس لئے
کہ میرے جسم نے ان وسیع کمروں میں کوئی راحت نہ پائی جنہیں
جھونپڑیوں کے رہنے والوں نے تعمیر کیا ہے۔ اس لئے کہ میرے
خوف نے یتیموں اور بیواؤں کے آنسوؤں سے گندھے ہوئے
آٹے کی روٹی قبول نہ کی۔ اس لئے کہ میری زبان اس دعا کے
لئے نہ ہلی، جسے بیشپ سادہ لوح اہلِ ایمان کی دولت کے
عوض فروخت کرتا ہے —— مجھے گرجا سے ناپاک کوڑھی کی

طرح نکال دیا گیا۔ اس لئے کہ میں راہبوں اور پادریوں کو اس کتاب کی آیتیں سُناتا تھا۔ جس نے انہیں راہب اور پادری بنایا۔"

نوجوان خاموش ہو گیا، اور راحیل اور مریم اُسے دیکھتی رہیں۔ وہ اس کی گفتگو پر متعجب تھیں۔ اُن کی نگاہیں اس کے حسین و غمگین چہرہ پہ جمی ہوئی تھیں۔ وہ بار بار آپس میں ایک دوسرے کو اس طرح دیکھتی تھیں۔ گویا بزبان خاموشی ان انوکھے اسباب کے متعلق پوچھ رہی تھیں جن کی بنا پر نوجوان اُن تک پہنچا۔ آخر کار ماں کے دل میں جستجو کا شوق بیدار ہوا، اور اس نے محبت کی نگاہ سے نوجوان کو دیکھ کر پوچھا:

"بیٹا! تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟ ——— کیا زندہ ہیں؟"

"نوجوان نے جواب دیا، اس طرح کہ دردناک گھٹن کی وجہ سے اس کے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے:

"میرا نہ باپ ہے نہ ماں، بہن ہے نہ وطن!"

راحیل نے متاثر ہو کر ایک ٹھنڈا سانس لیا۔ اور مریم نے اس گرم آنسو کو چھپانے کے لئے جو دل سوزی نے اس کی پلکوں سے ٹپکا دیا

تھا۔ اپنا منہ صحن کی طرف کر لیا۔ نوجوان نے ان دونوں کی طرف دیکھا جس طرح شکست خوردہ اپنے بچانے والے کو دیکھتا ہے۔ اس کی روح اس کی نرم دلی سے کھل اُٹھی۔ جس طرح چٹانوں میں لہلہانے والا پھول کھل اُٹھتا ہے۔ جب سحر کی دیوی اس کے دل میں شبنم کے قطرے ٹپکاتی ہے۔ سر اُٹھا کر اس نے کہا:

"میری عمر ابھی سات برس کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ میرے ماں باپ کا انتقال ہو گیا۔ جس گاؤں میں، میں پیدا ہوا تھا، اس کے ایک کاہن نے مجھے قدیشا کے ہیکل میں پہنچا دیا۔ راہب مجھ سے بہت خوش ہوئے اور مجھے گرجا کے مویشیوں کا چرواہا بنا دیا۔ جب میں پندرہ برس کا ہوا تو انہوں نے یہ سیاہ موٹے کپڑے مجھے پہنائے اور قربان گاہ کے سامنے لے جا کر کہا "اللہ اور اس کی پاکیوں کی قسم کھا کر کہو کہ میں ہمیشہ مفلسی، اطاعت اور پاک بازی کی زندگی بسر کروں گا۔" میں نے ان کے کہے ہوئے یہ الفاظ دہرائے۔ اس سے پہلے کہ میں ان کے معنی و مفہوم سے واقف ہوتا، مفلسی، اطاعت اور پاک بازی کی حقیقت سمجھتا۔ اس تنگ و دشوار گذار راستے کو

دیکھنا، جس پر وہ مجھے چلانا چاہتے تھے۔ میرا نام خلیل تھا۔ اس کے بعد سے تمام راہب مجھے "بھائی مبارک" کہنے لگے۔ لیکن انہوں نے مجھ سے کبھی بھائیوں کا سا سلوک نہیں کیا۔ وہ مزے سے گوشت اور مرغن غذائیں کھاتے۔ لیکن مجھے باسی روٹی اور خشک پھل کھلاتے، خود معطّر شرابوں اور شربتوں سے خوش کام ہوتے۔ لیکن مجھے آنسو ملا پانی پلاتے۔ خود نرم و گداز مسہریوں پر سوتے لیکن مجھے خنزیروں کی باڑ کے برابر ایک سرد اور تاریک کمرہ میں، سنگین فرش پر سلاتے تھے، میں اکثر اپنے دل سے کہتا تھا: "میں کب راہب بنوں گا کہ ان خوش نصیبوں کی مسرّتوں میں شرکت کر سکوں، ان کی لذّتوں اور خوش کامیوں کے قابل بن سکوں۔ میرا دل مرغن غذاؤں کی مہک سے محروم نہ رہے۔ شراب کی رنگا رنگیاں، میرا کلیجہ نہ سلگائیں، اور بشپ کی آواز سے میری روح نہ لرزے۔" لیکن میری ساری تمنّائیں، میرے تمام خواب باطل تھے۔ میں برابر جنگل میں مویشی چراتا تھا، اپنی پیٹھ پر بھاری پتھر لادتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے زمین کھودتا تھا ——— میں یہ سب کچھ کرتا تھا، روٹی کے چند ٹکڑوں کے لئے ایک تنگ اور تاریک

ٹھکانے کے واسطے، کیوں کہ میں نہیں جانتا تھا کہ گرجا کے علاوہ بھی کوئی
ایسی جگہ ہو سکتی ہے جہاں میں رہ سکوں۔ راہبوں نے اپنی زندگی کے
سوا ہر چیز کو کفر بتایا تھا اور میری روح کو یاس و اطاعت کے زہر
سے اس حد تک مسموم کر دیا تھا، کہ میں گمان کرنے لگا تھا یہ دنیا غم اور
بدبختی کا سمندر ہے۔ اور گرجا راحت و سلامتی کا ساحل۔"

خلیل ذرا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے مرجھائے ہوئے
خد و خال شگفتہ ہو گئے۔ اور وہ اس طرح دیکھنے لگا، گویا اس جھونپڑی
میں کوئی حسین شے اس کے سامنے کھڑی ہے لیکن راحیل و مریم اب
بھی خاموش بیٹھی، اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے
بعد اُس نے پھر کہنا شروع کیا:

"مشیت الٰہی، جس نے میرے والدین کو مجھ سے جدا کیا اور مجھے
یتیم بنا کر گرجا میں بھیج دیا۔ یہ نہ ہوئی کہ میں اپنی ساری زندگی اس
اندھے کی طرح گذاردوں، جو پُرخطر راستوں پہ چل رہا ہو۔ اللہ نے گوارا
نہ کیا۔ کہ میں زندگی کی آخری گھڑیوں تک ایک بدقسمت اور مقید
غلام رہوں۔ اس نے میری آنکھیں کھولیں اور چمکتی ہوئی روشنی مجھے

دکھائی۔ میرے کان کھولے اور حقیقت کو بولتے ہوئے سنوایا۔"

راحیل نے اپنا سر ہلایا اور کہا:

"کیا اس روشنی کے علاوہ بھی کوئی روشنی ہے، جو سورج تمام انسانوں پر ڈالتا ہے؟ کیا آدمی کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ حقیقت کو سمجھ لے؟"

خلیل نے جواب دیا:

حقیقی روشنی وہ ہے جو انسان کے باطن سے پھوٹ کر اس کے نفس کی تاریکیاں اس پر واضح کرتی ہے۔ اسے زندگی سے فرصت حاصل کرنا سکھاتی ہے۔ روح کے نام پر اسے نغمہ ساز کرتی ہے۔ لیکن حقیقت ان ستاروں کی مثال ہے جو ظلمتِ شب کے پردے سے نمودار ہوتے ہیں۔ حقیقت اس عالم کی ان تمام حسین چیزوں کی طرح ہے، جو اپنے دل کش اثرات اسی شخص پر ظاہر کرتی ہیں، جسے بے رحم جھوٹ کی تاثیرات کا علم ہو۔ حقیقت وہ مخفی جذبہ ہے جو ہمیں زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہونا سکھاتا ہے، اور جس کے اثر سے ہم یہ تمنا کرنے لگتے ہیں کہ یہ مسرتیں ساری دنیا کے لئے عام ہو جائیں۔"

راحیل نے کہا:

"بہت سے ہیں، جو اس مخفی جذبہ کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں، جس کے نور سے ان کے دل روشن ہیں اور بہت سے ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ جذبہ اُس ناموس کا پرتو ہے جسے اللہ نے انسان کے لیے تجویز کیا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی زندگی مسرتوں سے یکسر خالی ہوتی ہے، اور مرتے دم تک یہ لوگ قسمت کا شکار رہتے ہیں۔"

خلیل نے جواب دیا:

"باطل ہیں وہ تمام اعتقادات اور تعلیمیں جو انسان کو اس کی زندگی میں بدقسمت بنائیں، اور جھوٹے ہیں وہ سارے جذبے، جو اسے مایوسی اُداسی اور بدبختی کی طرف لے جائیں، انسان کا حق ہے کہ وہ زمین پر کامیاب زندگی بسر کرے، کامرانی کی راہوں سے باخبر ہو اور ہر جگہ سعادت کی تبلیغ و تلقین کرے۔ جو کوئی اس زندگی میں آسمانی فرشتوں کو نہیں دیکھتا وہ انہیں آنے والی زندگی میں بھی کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ ہم اس دنیا میں ذلیل جلاوطنوں کی حیثیت سے نہیں

لاعلم بچّوں کی حیثیت سے آئے ہیں، تاکہ زندگی کے اسرار و محاسن سے
ازلی و ابدی روح کی عبادت سیکھیں، اور اپنے نفس کی باریکیوں سے
واقف ہوں۔ یہی ہے وہ حقیقت جسے مسیحؑ ناصری کی تعلیمات پڑھنے
کے بعد میں نے سمجھا، یہی ہے وہ نور جس نے میرے باطن سے پھوٹ
کر دینا اور دنیا والوں کو میرے سامنے ایک تاریک غار کی حیثیت
سے پیش کیا، جس کی گہرائیوں سے ڈراؤنی پرچھائیاں مجھے موت کی
نیند سلانے کے لئے نمودار ہو رہی تھیں، اور یہی ہے وہ مخفی راز،
جسے جنگل کی دل فریبیوں نے مجھ پر منکشف کیا، جب میں درختوں
کے سائے میں بھوکا پیاسا بیٹھا روتا اور آہیں بھرتا تھا۔

چنانچہ ایک دن جبکہ میری روح اس آسمانی شراب سے مخمور
تھی، میں نے ہمت کی اور ان راہبوں کے پاس جا کر، جو گرجا کے باغیچہ
میں پیٹ بھرے حیوانوں کی طرح اینڈ رہے تھے، اپنے افکار
ان کے سامنے بیان کرنے شروع کئے اور کتابِ مقدس کی وہ
آیات انہیں سنائیں جن سے ان کی ضلالت و گمراہی کا اظہار ہوتا تھا۔
میں نے ان سے کہا: ہم اس خلوت میں اپنی زندگی فقیروں اور

مسکینوں کی خیرات کے بل پر کیوں بسر کریں؟ ان کی پلکوں کے آنسو اور ماتھے کے پسینہ سے گندھے ہوئے آٹے کی روٹی کیوں مزے لے کر کھائیں؟ اُن سے چھینی ہوئی زمینوں کے غلّہ سے کیوں لذّت اندوز ہوں؟ ہم مستی و بے کاری کے سائے میں کیوں زندہ ہیں؟ ان قبیلوں سے کیوں دوری اختیار کریں جو معرفت کے محتاج ہیں؟ ملک کو اپنے نفس کی قوتوں اور بازوؤں کی طاقتوں سے کیوں محروم رکھیں؟ مسیحؑ ناصری نے تمہیں بھیڑیوں میں بھیڑ بنا کر بھیجا تھا، پھر وہ کون سی تعلیمات ہیں، جنہوں نے تمہیں بھیڑوں میں بھیڑیا بنا دیا؟ تم انسانوں سے کیوں الگ تھلگ رہتے ہو جب اللہ نے تمہیں بھی انسان بنایا ہے؟ اگر تم کاروانِ حیات کے رہگیروں پر فضیلت رکھتے ہو تو تمہارا فرض ہے کہ ان کے پاس جاؤ اور انہیں تعلیم دو! اگر وہ تم پر فوقیت رکھتے ہیں تو ان میں گھل مل کر ان سے تعلیم حاصل کرو! حیرت ہے کہ تم محتاجی سے ڈرتے ہو اور امیروں کی زندگی بسر کرتے ہو۔ اطاعت سے بھاگتے ہو اور انجیل کے خلاف بغاوت کرتے ہو۔ پاک دامنی سے بچتے ہو اور تمہارے دل نفسانی خواہشوں سے لبریز ہیں۔ تم

اپنے جسموں پر جبر کرتے ہو لیکن درحقیقت اپنی روحوں کو کچلتے ہو!
تم اپنے تئیں دنیا والوں سے بلند ظاہر کرتے ہو۔ لیکن تمام آدمیوں
سے زیادہ حریص ہو۔ تم زہد و ورع کی نمائش کرتے ہو، لیکن ان
حیوانوں کی مثال ہو جو معرفت سے بے گانہ، کھیت چرنے میں معروف
رہتے ہیں ــــ آؤ! ہم گرجا کی وسیع زمینیں محتاج غریبوں کو واپس
کر دیں اور وہ تمام دولت ان کی جیبوں میں ڈال دیں، جو ہم نے
اُن سے حاصل کی ہے۔ آؤ! ہم ملک کے ہر گوشہ میں بٹ جائیں۔
جس طرح پرندوں کے جھلڑ الگ الگ ہو جاتے ہیں، اور ان
کمزور قبیلوں کی خدمت کریں جنہوں نے ہمیں طاقت ور بنایا
ہے۔ اس ملک کی اصلاح کریں جس کی خیرات پر ہم زندہ ہیں۔
اور اس بد قسمت قوم کو سورج کی روشنی کے لیئے مسکرانا، آسمانی
عطیوں اور زندگی و آزادی کی عظمتوں سے شاد کام ہونا سکھائیں۔
جو نصرانیت کی پیروی کرتی ہے۔ وہ مصیبتیں اور تکلیفیں جو ہمیں
انسانوں میں رہ کر اٹھانی پڑیں گی، اس راحت سے زیادہ حسین و
بزرگ ہوں گی جس کے ہم رہبانیت کی زندگی میں خوگر ہو گئے ہیں،

وہ مہربانی و ہمدردی جس سے ہم کسی عزیز کا دل اپنے ہاتھوں میں لیں گے۔ اس فضیلت سے زیادہ بلند ہوگی، جو گرجا کے گوشوں میں چھپی ہوئی ہے اور تسکین اور تشفی کا وہ ایک کلمہ۔ جو ہم کسی لغزیدہ مجرم اور ردو بانڈہ سے سے کہیں گے، ان طویل نمازوں سے زیادہ مقدس ہوگا۔ جو ہم ہیکل میں بار بار ادا کرتے ہیں!"

خلیل دم لینے کے لئے تھوڑی دیر ٹھہر گیا اس کے بعد اس نے راحیل اور مریم کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور پُر سکون لہجہ میں کہنے لگا:

"میں اور ان سے ملتی جلتی باتیں میں راہبوں سے کہہ رہا تھا اور وہ سُن رہے تھے۔ تعجب کے آثار اُن کے چہروں سے نمایاں تھے، گویا اُنہیں یقین نہ آتا تھا کہ مجھ جیسا نوجوان اُن میں کھڑے ہو کر اس قسم کی جُرأت آمیز باتیں کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ جب میں خاموش ہو گیا تو ان میں سے ایک راہب میرے پاس آیا اور دانت پیس کر کہنے لگا:

"کیوں رے خبیث! تجھے ہمارے سامنے اس قسم کی باتیں کرنے کی جُرأت ہو گئی؟" پھر دوسرا آیا اور مجھ پر طنز کیا:

"کیا تو نے یہ حکمت ان بھیڑ بکریوں اور خنزیروں سے سیکھی ہے جن

کے ساتھ اپنی عمر گذاری ہے؟

آخر میں ایک اور آیا اور دھمکی دی:

"کمینے سرکش! تو دیکھے گا کہ تیرے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے"؟

اس کے بعد وہ میرے پاس سے بھاگ گئے جیسے تندرست کوڑھی سے بھاگتا ہے۔ ان میں سے کچھ بشپ کے پاس گئے اور مخبری شکایت کی۔ سورج غروب ہونے پر بشپ نے مجھے بلایا اور نہایت سنگ دلی کے ساتھ بُرا بھلا کہہ کر مسرور راہبوں کو حکم دیا کہ میرے کوڑے لگائیں۔ جب وہ کوڑوں سے میرے جسم کو چھلنی کر چکے تو اس نے مجھے پورے ایک مہینہ قید میں رکھنے کا حکم دیا، اور راہب خوش ہوتے قہقہے لگاتے مجھے ایک سرد و تاریک کوٹھڑی میں لے گئے۔

ایک مہینہ تک میں اسی قید میں پڑا رہا۔ اس عالم میں کہ روشنی سے بالکل محروم تھا۔ کیڑے مکوڑوں کے رینگنے کے سوا مجھے کچھ محسوس نہ ہوتا تھا۔ مٹی کے سوا کوئی چیز ہاتھ لگانے کو نہ تھی۔ معلوم نہ ہوتا تھا کہ رات کب ختم ہوئی اور سورج کس وقت طلوع ہوا۔ اس راہب کے قدموں کی چاپ کے سوا کوئی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ جو آتا اور سوکھی روٹی کے

پھپھوندی لگے ٹکڑے اور سرکہ ملے پانی کا ایک آبخورہ میرے پاس رکھ کر چلا جاتا۔ جب میں قید سے آزاد ہوا اور راہبوں نے میرے جسم کی ناتوانی اور چہرے کا پیلا پن دیکھا تو سمجھے کہ میرے نفسی میلانات میرے باطن میں گھٹ گھٹ کر مر چکے ہیں، اور یہ کہ بھوک پیاس اور تکلیفوں سے انھوں نے اس جذبہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے، جو اللہ نے میرے دل میں پیدا کیا تھا ـــــ دن، راتوں کے نقشِ قدم پر گزرتے رہے اور میں تنہائی کے اوقات میں اپنی ذہنی قوتوں کو ان چیزوں کے سوچنے سمجھنے میں صرف کرتا رہا، جو راہبوں کو روشنی دکھائیں اور زندگی کے نغمہ سے اُنھیں آشنا کریں۔ لیکن میرا یہ تمام سوچ بچار، میرا یہ تمام غور و فکر بے سود ثابت ہوا، اس لیے کہ طویل زمانے نے ان کی آنکھوں پر جو دبیز پردہ تان دیا تھا اُسے گنتی کے دن چاک نہیں کرسکتے تھے اور جہالت نے مٹی کے جو تودے ان کے کانوں میں ٹھونس دیئے تھے وہ پختہ ہو کر سنگین ہو چکے تھے اور اُنہیں نرم و نازک انگلیوں کا لمس زائل نہیں کرسکتا تھا۔”

ٹھنڈے سانسوں سے لبریز خاموشی کے بعد مریم نے سر اُٹھا کر اپنی ماں کی طرف دیکھا، گویا اجنبی سے بات کرنے کی اجازت چاہتی ہے۔

اس کے بعد غمگین نگاہوں سے خلیل کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھا:

"کیا تم نے راہبوں کے سامنے پھر اس قسم کی باتیں کیں جو انہوں نے تمہیں گرجا سے نکال دیا اور ایسی خوف ناک رات میں جو انسان کو دشمنوں پر بھی شفیق و مہربان ہونا سکھاتی ہے؟"

نوجوان نے جواب دیا:

"آج شام کو جب آندھی نے زور پکڑا اور عناصر فضا میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہو گئے، تو میں ان راہبوں سے ہٹ کر، جو آگ کے گرد بیٹھے ہاتھ تاپ رہے اور مختلف واقعات اور ہنسنے ہنسانے والی کہانیوں کے کہنے سُننے میں مصروف تھے۔ ایک طرف بیٹھ گیا اور انجیل کھول کر اُن اقوال پر غور کرنے لگا، جو روح کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں اور فطرت کی غضب ناکی اور عناصر کی سنگ دلی سے اُسے بے خوف کر دیتے ہیں۔ جب راہبوں نے دیکھا کہ میں اُن سے دُور ایک گوشے میں بیٹھا ہوں تو انہوں نے میری تنہائی کو مذاق کا ذریعہ بنالیا، اُن میں سے دو چار آکر میرے پاس کھڑے ہو گئے اور آنکھیں مٹکا مٹکا کر ہنسنا اور میری طرف اشارے کر کر کے میرا مذاق اُڑانا

شروع کر دیا۔ میں نے ان کی کوئی پروا نہ کی، بلکہ کتاب بند کر کے کھڑکی میں سے جھانکنے لگا۔ میری اس بے پروائی پر وہ غصہ سے تڑپ اُٹھے اور میری طرف کنکھیوں سے دیکھا۔ گویا میری خاموشی نے ان کے جذبات کو سرد کر دیا ہے، ازراہِ طنز ان میں سے ایک بولا:

"مصلحِ اعظم! کیا مطالعہ فرمایا جا رہا ہے؟"

میں نے بولنے والے کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا۔ بلکہ انجیل کھولی اور یہ آیت باآوازِ بلند پڑھی:

"وہ ان لوگوں سے جو بپتسمہ کے لئے آئے تھے، کہہ رہا تھا: "اے سانپوں کی اولاد! اگر کوئی تمہیں آنے والے غضب سے بچنے کی تعلیم دے تو تم ایسے کام کرو جو توبہ کے لائق ہوں، اور اپنے دل میں یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارا باپ ابراہیمؑ ہے۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اللہ ان پتھروں سے بھی اولادِ ابراہیمؑ پیدا کرنے پر قادر ہے اور اب کلہاڑا درخت کی جڑ پر رکھ دیا گیا ہے، ہر وہ درخت جو بہتر پھل نہ لائے گا کاٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔" لوگوں نے اس سے پوچھا "پھر ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟" اس نے جواب دیا "جس کے پاس کپڑے ہوں اسے چاہیے

کہ جس کے پاس کپڑے نہ ہوں، اسے دے دے اور جس کے پاس روٹی ہو اُسے بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے!"

جب میں نے یہ کلمات پڑھے، جو یوحنا معمدان کے ہونٹوں سے نکلے تھے، تو راہب ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوگئے۔ گویا کسی مخفی ہاتھ نے اُن کی روح کو دبوچ لیا ہے۔ لیکن وہ پھر اپنی اصلی حالت پہ آگئے اور قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ ان میں سے ایک بولا:

"ہم نے یہ کلام کئی مرتبہ پڑھا ہے، اس لئے ہم ایک مویشی چرانے والے کے محتاج نہیں ہیں کہ وہ یہ فقرے ہمیں سنائے۔"

میں نے جواب دیا:

"اگر تم نے یہ آیات پڑھی ہیں اور اُنہیں سمجھا ہے تو پھر ان برف میں دبے ہوئے گاؤں کے رہنے والے سردی سے کیوں ٹھٹھرتے جا رہے ہیں؟ بھوک سے کیوں تڑپ رہے ہیں؟ اور تم یہاں ان کی خیراتوں سے کیوں مزے اڑا رہے ہو؟ ان کے انگوروں کے رس سے کیوں خوش کام ہوتے ہو؟ ان کے مویشیوں کا گوشت کیوں کھا رہے ہو؟"

ابھی یہ الفاظ پوری طرح میرے ہونٹوں سے ادا بھی نہ ہوئے

تھے کہ ایک راہب نے میرے مُنہ پر طمانچہ مارا، گویا میں نے جو کچھ کہا حماقت
کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کے بعد دوسرے راہب نے میرے لات ماری،
تیسرے نے میرے ہاتھ سے کتاب چھین لی اور چوتھے نے بشپ کو آواز
دی۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھاتا آیا، اور جب راہبوں نے اُسے یہ ماجرا
سُنایا، تو مارے طیش کے تن گیا۔ آنکھوں کی پُتلیاں سکڑ گئیں اور غصّہ
سے کانپنے لگا۔ آخرکار وہ بلند آواز میں چلّایا: اس بدمعاش باغی
کو گردن پکڑ کر گرجا سے باہر نکال دو تاکہ غضبناک عناصر اسے اطاعت
و فرمانبرداری کی تعلیم دیں۔ اسے سرد تاریکی میں دھکیل دو تاکہ فطرت
کے اصول اس پر مشیّت خداوندی کی تعمیل کریں۔ اس کے بعد اس کفر
کی زہرناکیوں کے خوف سے اپنے ہاتھ دھو ڈالو۔ جو اس کے کپڑوں
میں چھپا ہوا ہے، اور اگر یہ واپس آکر روئے پیٹے، توبہ تِلّا کرے
تو بھی گرجا کا دروازہ اس پر نہ کھولا جائے۔ کیونکہ سانپ پنجرے میں قید
ہونے سے کبوتر نہیں بن جاتا اور عُلّیق[1] باغ میں بوئے جانے سے انجیر کا

---

[1] ایک کانٹے دار پودا جو گلاب کے پودے سے مشابہ ہے۔ اس کا
پھل شہتوت کے پھل سے ملتا جُلتا ہے۔

پھل نہیں لاتا ہے۔"

یہ سن کر راہبوں نے مجھے پکڑ لیا اور بیدردی کے ساتھ مجھے گرجا سے نکال کر ہنستے ہوئے واپس ہو گئے۔ دروازہ بند کئے جانے سے پہلے میں نے سُنا، ان ہی سے ایک ان الفاظ میں میری ہنسی اُڑا رہا تھا، "کل تک تو بادشاہ تھا اور تیری رعیت بھیڑ بکریاں تھیں، اور خنزیر، لیکن اے خود ساختہ مصلح! آج ہم نے تجھے معزول کر دیا۔ اس لیے کہ تو نے نظامِ حکومت میں خلل ڈالنے کی کوشش کی۔ اب جا، اور بھوکے بھیڑیوں اور اڑتے کوؤں پر حکومت کر۔ انہیں بتا! کہ وہ اپنے غاروں اور گھونسلوں میں کس طرح زندگی بسر کریں۔"

خلیل نے ایک گہرا سانس لیا اور منہ پھیر کر اُس آگ کو دیکھا جو انگیٹھی میں دہک رہی تھی۔ ایک ایسی آواز میں جو اپنی شیرینی کی وجہ سے جراحت کار تھی، اس نے کہا،

"اس طرح میں گرجا سے نکالا گیا، اور اسی طرح راہبوں نے مجھے موت کے حوالے کر دیا۔ مجبوراً میں چل کھڑا ہوا، اس عالم میں کہ کہر راستے کو میری نگاہوں سے روپوش کر رہی تھی، آندھی کے جھکڑ

میرے کپڑوں کو پھاڑے دیتے تھے۔ اور آسمان سے گرنے والی برف میرے پاؤں پکڑے لیتی تھی۔ یہاں تک کہ میری قوتیں جواب دے گئیں، اور میں زمین پر گر کر اس مایوس کی طرح چلّانے لگا جسے یہ محسوس ہو رہا ہو کہ اس کی پکار، ڈراؤنی موت اور اندھیرے غاروں کے سوا کوئی نہیں سُن رہا۔ لیکن برف اور آندھی کے پیچھے سے تاریکی اور بادلوں کے پیچھے سے، ایتھر اور تاروں کے پیچھے عالم ممکنات کی ہر شے کے پیچھے سے، ایک قوت نے جو تمام معرفت اور تمام رحمت ہے میری پکار سُنی، اور نہ چاہا کہ میں زندگی کے باقی ماندہ اسرار سمجھنے سے پہلے مر جاؤں۔ چنانچہ اس نے تم دونوں کو بھیجا کہ مجھے جہنم اور پستی کی گہرائیوں سے نکال لاؤ۔

نوجوان خاموش ہو گیا اور دونوں عورتیں اسے توجہ، حیرت اور شفقت سے دیکھتی رہیں۔ گویا ان کی روحیں اس کے ذہنی اسرار سے واقف ہو گئی ہیں اور عرفان و شعور میں انہوں نے اس کے ساتھ شرکت کر لی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد راحیل نے غیر ارادی طور پر اپنا ہاتھ بڑھایا، اور نرمی و ملائمت سے اس کے ہاتھ کو مس کر کے کہا:

اس حالت میں کہ آنسو اس کی آنکھوں میں چمک رہے تھے:

"جسے اللہ، حق کی مدد کے لیئے انتخاب کرتا ہے۔ اسے ظالم فنا کر سکتے ہیں نہ برف باریاں اور آندھیاں موت کے گھاٹ اتار سکتی ہیں۔"

اور مریم نے سرگوشی کے انداز میں کہا:

"برف باریاں اور آندھیاں پھولوں کو فنا کر سکتی ہیں، بیجوں کو نہیں مار سکتیں۔"

"تسکین و تسلی نے خلیل کے زرد چہرے کو روشن کر دیا جس طرح صبح کی شعاعیں اُفقی خطوط کو روشن کر دیتی ہیں، اس نے کہا:

"اگر تم مجھے سرکش اور کافر نہیں سمجھتیں، جیسا کہ راہبوں نے سمجھا تو وہ بدسلوکی، جس سے میں گرجا میں دوچار ہوا، اس ابتلا کی طرف ایک اشارہ ہوگی، جو معرفت کی اعلیٰ منزل پہ پہنچنے سے پہلے قوموں کو پیش آتی ہے۔ اور یہ حالت جس میں قریب تھا کہ میں موت کے منہ کا نوالا بن جاؤں۔ ان باغیانہ ہنگاموں کی تصویر ہوگی، جو آزادی اور مساوات سے پہلے ظہور میں آتے ہیں۔ اس لئے کہ حساس عورت کے دل سے انسانی سعادت پھوٹتی ہے، اور اس کی شریف روح کے جذبات

سے انسانی جذبات جنم لیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے تکیہ کا سہارا لے لیا اور ماں بیٹیوں نے مناسب نہ سمجھا کہ گفتگو جاری رکھی جائے۔ انہوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس کی آنکھوں میں وہ نیند جھوم رہی ہے جو سفر کی تکان کے بعد راحت و آرام ملنے سے پیدا ہوتی ہے۔

چند منٹ نہ گذرے ہوں گے کہ خلیل نے آنکھیں بند کیں اور اس بچّہ کی طرح سو گیا جو اپنی ماں کی محبّت بھری آغوش میں آسودہ ہو۔ راحیل اور مریم آہستہ سے کھڑی ہوئیں اور اپنے اپنے بستروں پر جا بیٹھیں۔ وہ نوجوان کو اس طرح دیکھ رہی تھیں، گویا اس کے پژمردہ چہرہ میں ایک کشش ہے، جو اُن کی روحوں کو اپنی طرف مائل کر رہی ہے، اور ان کے دلوں کو اپنا خانہ نگہداشت بنا رہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ماں نے سرگوشی کے انداز میں کہا، گویا اپنے آپ سے بات کر رہی ہے:

"اس کی بند آنکھوں میں ایک عجیب قوت ہے، جو بزبانِ خاموشی روح کے میلانات کو بیدار کر رہی ہے!"

اور بیٹی نے کہا:

"امّاں! اس کے ہاتھ مسیحؑ کی اس تصویر کے ہاتھوں سے ملتے جلتے

ہیں، جو گرجا میں ہے!"

ماں نے پھر سرگوشی کی:

"اس کے غمگین چہرے سے عورت کی نرمی اور مرد کی قوّت کا

اظہار ہوتا ہے۔"

نیند کے بازو ان دونوں عورتوں کی روح کو نوجوانی کی دنیا میں اُڑا لے گئے۔ انگیٹھی کی آگ بجھ کر راکھ کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ چراغ کا تیل بھی خشک ہو گیا اور اس کی روشنی آہستہ آہستہ مدھم ہو کر فنا ہو گئی۔ لیکن خوف ناک آندھی اب بھی شور مچا رہی تھی۔ تاریک فضا برف کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے زمین پر بکھیر رہی تھی، اور ہوا کے تیز و تند جھونکے اُنہیں دائیں بائیں اڑائے لئے جا رہے تھے۔

(۴)

اس رات کو دو ہفتے گزر گئے۔ بادلوں سے گھری ہوئی فضا، کبھی ساکن ہو جاتی، کبھی ہیجان میں آکر وادیوں کو گرد سے بھر دیتی اور ٹیلوں کو برف میں کفنا دیتی۔ خلیل نے اس دوران میں تین مرتبہ ارادہ کیا کہ ساحل کی طرف چلا جائے۔ لیکن ہر مرتبہ راحیل نے ازراہِ لطف و مہربانی یہ کہہ کر اسے روک لیا:

"بیٹا! اپنی زندگی کو دوبارہ اندھے عناصر کے حوالے نہ کرو، بلکہ یہیں سکونت اختیار کر لو، جو روٹی دو آدمیوں کا پیٹ بھرتی ہے، تین آدمیوں کے لئے بھی کافی ہو سکتی ہے۔ اس انگیٹھی کی آگ تمہارے جانے کے بعد بھی اسی طرح روشن رہے گی، جس طرح تمہارے آنے سے پہلے

جلتی تھی، بیٹا! ہم محتاج ضرور ہیں۔ لیکن اور تمام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ ہمیں پیٹ بھر کے روٹی دے دیتا ہے۔"

لیکن مریم لطیف نگاہوں اور خاموش آہوں کے ذریعے اس سے التجا کرتی کہ وہ جانے کے ارادے سے باز رہے۔ اس بنا پر کہ جب سے خلیل زندگی اور موت کی کشاکش میں گرفتار، اس حقیر جھونپڑی میں آیا تھا، وہ اپنی ذات میں ایک ایسی بلند قوت کا وجود محسوس کرنے لگی تھی، جو اس کے دل کو زندگی و روشنی سے معمور، اور اس کی روح کی انتہائی پاکیزگیوں میں ایک نئے اور دل کش جذبہ کو پیدا کر رہی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ ایک ایسا عجیب جذبہ محسوس کیا تھا، جو دوشیزہ کے معصوم دل کو گلاب کے اس سفید پھول کی مثال بنا دیتا ہے جس کی خصوصیت ہے کہ شبنم کے قطرے پی کر فضا کو معطر کر دے۔

انسان کے باطن کا کوئی جذبہ اس مخفی جذبہ سے زیادہ پاک اور شیریں نہیں ہے جو عالم خود فراموشی میں دوشیزہ کے دل میں اثر انداز ہو کر اس سیمیں سینہ کی خلاؤں کو طلسمی نغمہ سے بھر دیتا ہے، اور اس کے دنوں کو شاعروں کے خوابوں اور راتوں کو پیغمبروں کی مثال بنا دیتا ہے۔

فطرت کے رازوں میں سے کوئی راز اس میلان سے زیادہ قوی اور حسین نہیں ہے، جو دوشیزہ کے ساکن روح کو ایک مستقل حرکت سے بدل کر، اپنے عزم سے بیتے ہوئے دنوں کی یاد کو فنا اور اپنی حلاوت سے آنے والے زمانہ کی امیدوں کو زندہ کر دیتا ہے۔

جذبات کی قوت اور احساس کی رقت کے اعتبار سے لبنانی دوشیزہ ہر قوم کی دوشیزہ پر امتیاز رکھتی ہے۔ اس لئے کہ سادہ تربیت اس کی عقل کو بالیدگی سے محروم کر دیتی ہے اور قوتِ ادراک کو ترقی کرنے سے روک دیتی ہے۔ اس کی روح اپنے میلانات کی چھان بین میں مصروف رہتی ہے۔ اور دل اپنے رازوں کے علم و عرفان میں مشغول لبنانی دوشیزہ اس چشمہ کی مثال ہے، جو زمین کے سینہ سے پھوٹ کر نشیبی حصوں میں بہتا ہے، لیکن اسے راستہ نہیں ملتا کہ وہ نہر کی شکل میں خوشی کے راگ گاتا، سمندر میں جا ملے اور وہ خاموش جھیل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جس میں چاند اور ستاروں کی شعاعیں منعکس ہوتی ہیں۔

خلیل نے بھی محسوس کر لیا کہ مریم کی روح اس کی روح کے

گرد منڈلا رہی ہے۔ اسے معلوم ہو گیا کہ وہ مقدس آگ، جو اس کے دل کو محیط ہے۔ مریم کے دل کو بھی تپش آشنا کر چکی ہے۔ پہلے پہل تو خوشی سے وہ اُچھل پڑا۔ جیسے گم شدہ بچّہ اپنی ماں کو پا کر خوشی سے اُچھل پڑتا ہے۔ لیکن پھر اُسے خیال آیا اور وہ اپنی اس جلد بازی و فریفتگی پر خود کو ملامت کرنے لگا۔ اس نے گمان کیا کہ دو روحوں کی یہ مفاہمت کہر کی طرح فنا ہو جائے گی۔ جب زمانہ کا بے رحم ہاتھ اسے گاؤں سے نکال باہر کرے گا۔ چنانچہ اکثر وہ اپنے دل سے کہتا:

”یہ مخفی اسرار کیا ہیں، جو ہم سے کھیلتے ہیں اور ہم غافل ہیں؟ یہ بیڑیاں کہاں ہیں، جو کبھی تو ہمیں دشوار گذار راستوں پر لے جاتی ہیں، اور ہم اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ ان پہ چلنے لگتے ہیں، اور کبھی سورج کے سامنے کھڑا کر دیتی ہیں اور ہم خوشی خوشی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جو کبھی تو ہمیں پہاڑ کی چوٹی پہ پہنچا دیتی ہیں اور ہم مسرور ہو کر مسکرانے لگتے ہیں، اور کبھی وادی کی گہرائیوں میں پھینک دیتی ہیں اور ہم دردناک ہو کر چلّانے لگتے ہیں؛ یہ زندگی کیا ہے، جو ایک دن تو دوست کی طرح ہم سے گلے ملتی ہے اور دوسرے دن دشمن کی طرح ہمارے طمانچہ مار دیتی

ہے! کیا میں کل تک گرجا کے پادریوں میں اچھوت اور مظلوم نہ تھا؟ کیا
میں اس حقیقت کی خاطر، جسے اللہ نے میرے سینہ میں پیدا کیا، تکلیفیں
اور بوریاں ٹھٹولیاں برداشت نہ کرتا تھا؟ کیا میں نے راہبوں سے نہیں
کہا تھا کہ سعادت انسان میں خدا کی مشیت ہے؟ تو پھر یہ خوف کیسا؟
میں کیوں اپنی آنکھیں بند کر دوں اور کیوں اپنا منہ اس روشنی کی طرف سے
پھیر دوں جو اس دوشیزہ کی آنکھوں سے نکل رہی ہے، میں مردود ہوں
اور وہ فقیر، لیکن انسان کیا صرف روٹی ہی پر جیتا ہے؟ کیا زندگی
اطاعت و وفاداری کا نام نہیں ہے؟ کیا تنگی و فراخی کے درمیان ہم
ان درختوں کی مثال نہیں ہیں، جو گرمی اور جاڑے کے درمیان ہوں؟ لیکن
راحیل کیا خیال کرے گی جب اسے معلوم ہوگا، سکوت و خاموشی کے عالم
میں گرجا سے نکالے ہوئے نوجوان کی روح اس کی اکلوتی بیٹی کی روح سے
ہم آہنگ ہوگئی ہے، اور اس ہم آہنگی نے ان دونوں کی روحوں کو نورِ اعلیٰ
کے دائرہ سے قریب تر کردیا ہے! وہ کیا کرے گی جب یہ حقیقت اس کے
علم میں آئے گی کہ وہ نوجوان، جسے اس نے موت کے چنگل سے چھڑایا تھا
چاہتا ہے کہ اس کی بیٹی کا رفیقِ حیات ہو جائے! اور اس گاؤں کے سادہ لوح کیا

کہیں گے، جب انہیں پتہ چلے گا کہ ایک نوجوان، جو گرجا میں پلا بڑھا اور وہاں سے دھکے دے کر نکال دیا گیا، ان کے گاؤں میں آیا اور اس لیئے کہ ایک پری رُو دوشیزہ کے پہلو میں زندگی بسر کرے؟ کیا وہ اپنے کانوں میں انگلیاں نہ دیں گے، جب میں ان سے کہوں گا کہ وہ شخص جس نے ان کے ساتھ رہنے کے لیئے گرجا کو چھوڑ دیا، اس پرندے کی مثال ہے جو قفس کی تاریکیوں سے نکل کر روشنی اور آزادی کی کھلی فضا میں آیا ہے۔ شیخ عباس، جو ان جیسے چار سے کسانوں میں اس طرح زندگی بسر کرتا ہے، جیسے غلاموں میں بادشاہ، کیا کہے گا جب میری کہانی اس کے کانوں تک پہنچے گی؟ اور گاؤں کا پادری میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا جب لوگ اس کے سامنے وہ باتیں دہرائیں گے، جو میرے گرجے سے نکالے جانے کا سبب ہوئیں؟

خلیل اپنے دل سے باتیں کر رہا تھا اور آتش دان کے پاس بیٹھا آگ کے ان شعلوں کو غور سے دیکھ رہا تھا، جو اس کے جذبات سے مشابہ تھے، لیکن مریم اسے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، اس کے چہرہ سے اس کے خیالات کا مطالعہ کر رہی تھی۔ اپنے سینہ میں اس کے افکا

کی صدائے باز گشت گونجتے سن رہی تھی، اس کے وسوسوں کی پرچھائیاں اپنے دل کے گرد منڈلاتے محسوس کر رہی تھی۔

ایک دن کا ذکر ہے خلیل کھڑکی کے پاس کھڑا تھا، جو اس وادی کی طرف کھلتی تھی، جہاں درخت اور چٹانیں برف میں اس طرح لپٹی ہوئی تھیں جیسے مردے کفن میں۔ مریم آئی اور اس کے پاس کھڑی ہو گئی، اور کھڑکی میں سے فضا کو دیکھنے لگی۔ خلیل اس کی طرف متوجہ ہوا۔ جب اس کی نگاہیں مریم کی نگاہوں سے چار ہوئیں تو اس نے ایک آتش ناک آہ بھری اور منہ پھیر کر اپنی آنکھیں بند کر لیں، گویا اس کی روح جسم سے علیحدہ ہو کر نہایت تیزی کے ساتھ ابد کی گہرائیوں میں جا رہی ہے۔ اس کلمہ کی جستجو کرتے ہوئے جو ابھی شرمندۂ اظہار نہیں ہوا۔

تھوڑی دیر کے بعد مریم نے حوصلہ کر کے اس سے پوچھا:

”جب برف پگھل جائے گی، اور راستے کھل جائیں گے تو تم کہاں جاؤ گے؟“

اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولیں اور دور افق پر نگاہیں جما کر جواب دیا:

"میں کہاں جاؤں گا؟ یہ مجھے خود معلوم نہیں۔"

مریم کی روح لرز اٹھی اور اس نے آہ بھر کر کہا:

"تم اسی گاؤں میں ہمارے پاس کیوں نہیں رہتے، کیا یہاں کی زندگی اس غریب الوطنی کی زندگی سے بہتر نہ ہوگی؟"

مریم کے الفاظ کی نرمی اور آواز کے ترنّم نے خلیل کے دل کو مضطرب کر دیا۔ اس نے جواب دیا:

"اس گاؤں کے رہنے والے، گرجا سے نکالے ہوئے شخص کو اپنا ہمسایہ بنانا قبول نہ کریں گے۔ انہیں گوارا نہ ہوگا کہ وہ اس فضا میں سانس لے، جس میں وہ زندگی بسر کرتے ہیں، ان کے نزدیک راہبوں کا دشمن خدا اور اس کے نیک بندوں کا باغی ہے۔"

مریم نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور خاموش کھڑی رہی۔ جراحت کار حقیقت نے اسے گونگا کر دیا تھا۔ خلیل نے اپنے سر کو سہارا دے کر کہا:

"مریم! ان گاؤں کے باشندوں نے راہبوں اور کاہنوں سے ہر اس شخص کے خلاف بغض و عناد کی تعلیم حاصل کی ہے، جو اپنی ذات کے متعلق سوچتا ہے۔ چنانچہ یہ سب کے سب انہیں کی پیروی کرتے ہیں اور

اُنہیں کی طرح اُن تمام افراد سے دُور رہتے ہیں جو اپنی زندگی تقلید و اطاعت میں نہیں، تحقیق و تلاش میں صرف کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیئے اگر میں اس گاؤں میں رہا اور یہاں کے رہنے والوں سے میں نے کہا کہ بھائیو! آؤ! ہم راہبوں اور پادریوں کی خواہش کے مطابق نہیں، اپنی مرضی کے مطابق عبادت کریں۔ کیونکہ خدا اس جاہل کا معبود نہیں بننا چاہتا جو دوسرے کی تقلید کرے" تو وہ کہیں گے کہ "یہ ملحد ہے اس سلطہ اس اقتدار کی مخالفت کر رہا ہے جو اللہ نے اپنے کاہنوں کو تفویض کیا ہے" اور اگر میں نے ان سے کہا کہ "بھائیو! اس آواز کو غور سے سُنو! جو تمہارے دلوں سے آ رہی ہے، اور اس روح کے ارادہ پر عمل کرو، جو تمہاری گہرائیوں میں موجود ہے" تو وہ کہیں گے کہ "یہ شیطان ہے اور ہمیں ان وسائل سے روگرداں کر دینا چاہتا ہے، جو اللہ نے زمین اور آسمان کے درمیان قائم کیئے ہیں"

خلیل نے اس وقت مریم کی آنکھوں کی طرف دیکھا اور ایسی آواز میں جو نقرئی تاروں کی جھنکار سے ملتی جُلتی تھی، کہا:

"لیکن مریم! اس گاؤں میں ایک ایسی طلسمی قوت ہے، جس نے مجھ پہ

قابو پالیا ہے اور میری روح سے چمٹ گئی ہے ——— وہ بلند قوت جس نے میرے دل سے راہبوں کے ظلم و جور کو بھلا دیا ہے اور ان کی سنگ دلی کو میرے لئے خوش گوار بنا دیا ہے۔ اسی گاؤں میں میں نے موت کو اپنے روبرو دیکھا ہے، اور اسی گاؤں میں میں روحِ خداوندی سے بغلگیر ہوا۔ اس گاؤں میں کانٹوں میں گھرا ہوا ایک پھول ہے، جس کا حُسن میرے دل کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے، اور جس کی خوشبو میرے کلیجہ کو معطر کر رہی ہے۔ تو کیا میں اس پھول کو چھوڑ دوں اور ان تعلیمات کی تبلیغ و تلقین کرتا ہوا چلا جاؤں، جن کی بنا پر مجھے گرجا سے نکالا گیا ہے۔ یا اس پھول کے پاس ٹھہرا رہوں اور ان کانٹوں کے درمیان جو اس پھول کو گھیرے ہوئے ہیں، اپنے افکار و تصورات کے لیے اپنے ہاتھوں قبر کھود دوں؟ مریم! بتاؤ میں کیا کروں؟"

مریم نے یہ الفاظ سُنے اور اس کے جسم میں ایک ارتعاش پیدا ہوا، جس طرح نسیمِ سحر کی لطیف موجوں سے سوسن کا پھول لہلہاتا ہے، اس کے دل کی شعاعیں اس کے دہن سے جھلکنے لگیں، اور اس نے کہا، اس طرح کہ شرم اس کی زبان پکڑے لیتی تھی۔

"ہم دونوں ایک عادل اور مہربان مخفی قوت کے ہاتھوں میں ہیں۔
ہمیں چاہیئے کہ خود کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیں!"
اسی لمحہ میں خلیل کے جذبات مریم کے جذبات سے گھل مل گئے
اور وہ دونوں ایک بھڑکتا ہوا شعلہ بن گئے، جس سے روشنی پھوٹ
رہی تھی اور جس کے گرد خوشبوئیں مہک رہی تھیں۔

(۵)

ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک یہ دستور چلا آرہا ہے کہ موروثی شرافت سے چمٹے ہوئے خاندان، قوم کے خلاف کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں سے سازباز کرکے ایک دوسرے کی امداد و اعانت کا عہد و پیمان کر لیتے ہیں۔ یہ ایک پرانا روگ ہے جس نے انسانی سماج کی گردن میں اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ یہ روگ ہرگز زائل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس دنیا سے جہالت کا خاتمہ ہو کر ہر مرد کی عقل حکمران اور ہر عورت کا دل کاہن نہ ہو جائے۔

موروثی شریف زادہ اپنے محل کی تعمیر کمزور فقیروں کے اجسام سے

کرتا ہے اور کاہن ہیکل کی بنیاد اطاعت کیش اہل ایمان کی قبروں پر رکھتا ہے ——— امیر بے چارے کسان کے بازوؤں کو جکڑتا ہے، اور کاہن اپنا ہاتھ اس کی جیب کی طرف بڑھاتا ہے ——— حاکم کسانوں کو تیوری چڑھا کر دیکھتا ہے۔ اور پادری ان کی طرف مسکراتے ہوئے متوجہ ہوتا ہے ——— اور چیتے کی تند مزاجی اور بھیڑیئے کے دانت نکوسنے میں بھیڑ غریب کا کام تمام ہو جاتا ہے ——— حاکم قانون کی تعمیل کی طرف بلاتا ہے اور کاہن مذہب کی پیروی کی طرف، اور ان دونوں کے درمیان جسم فنا ہو جاتے ہیں اور روحیں مضمحل۔

لبنان میں ——— اس کوہستانی علاقہ میں، جو سورج کی روشنی کے اعتبار سے غنی، لیکن نورِ معرفت کے لحاظ سے محتاج ہے۔ موروثی شریف اور کاہن اُس کمزور مفلس کے خلاف متحد ہو گئے ہیں، جو کھیت بوتا اور کاٹتا ہے، اس لئے کہ اپنے جسم کو پہلے کی تلوار اور دوسرے کی لعنت سے بچائے۔

لبنان میں موروثی شریف زادہ اپنے محل کے پاس کھڑے ہو کر اہلِ لبنان سے بلند آواز میں کہتا ہے:

" سلطان نے مجھے تمہارے جسموں کا مربی بنایا ہے!"

اور کاہن قربان گاہ کے سامنے کھڑا ہو کر پکارتا ہے:
"اللہ نے مجھے تمہاری روحوں کا سرپرست بنایا ہے!"
لیکن اہلِ لبنان؛ ——— وہ خاموش رہتے ہیں۔ اس لیے کہ مٹی میں بکھرے ہوئے دل نہیں ٹوٹتے، اس لیے کہ مردے نہیں رہتے۔"
چنانچہ شیخ عباس اس گاؤں کا مربی، حاکم اور امیر تھا، اسے گرجا کے پادریوں سے محبت تھی، اور وہ ان کی تعلیمات و رسوم کی حفاظت کرتا تھا، اس لیے کہ پادری اس کے کھیتوں اور باغوں کے نگہبانوں میں احساسِ معرفت کو فنا اور تسلیم و اطاعت کے جذبات کو بیدار کرنے میں اس کا ساتھ دیتے تھے۔
اس دن شام کو ——— جبکہ خلیل اور مریم بارگاہ محبت کے قریب پہنچ گئے تھے اور راحیل ان کی روح کے اسرار سے آشنا ہو کر، ان کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی ——— گاؤں کا پادری الیاس شیخ عباس کے محل میں پہنچا اور اسے اطلاع دی کہ نیک سیرت راہبوں نے ایک باغی سرکش نوجوان کو گرجا سے نکال دیا ہے اور وہ ملحد دو ہفتے سے اس گاؤں میں پناہ گزین ہے، چنانچہ اس

وقت وہ سمعان کی بیوہ راحیل کے ہاں موجود ہے۔

پادری الیاس نے شیخ عباس کو یہ خبر سنانے ہی پہ اکتفا نہیں کی بلکہ تاکیداً کہا:

"وہ شیطان جسے گرجا سے نکال باہر کیا گیا ہو، اس گاؤں میں رہ کر فرشتہ نہیں بن سکتا، اور انجیر کا وہ درخت جسے باغبان نے کاٹ کر آگ میں ڈال دیا ہو، آتش دان میں ہوتے ہوئے اچھا پھل نہیں دے سکتا، اس لئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ یہ گاؤں گھناؤنی بیماریوں کے جراثیم سے پاک رہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نوجوان کو اسی طرح اپنے گھروں اور کھیتوں سے نکال دیں جس طرح راہبوں نے اسے گرجا سے نکالا ہے۔"

شیخ عباس نے مستفسرانہ لہجہ میں کہا:

"آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ نوجوان اس گاؤں میں گھناؤنی بیماری کی طرح رہے گا؟ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم اسے یہیں رہنے دیں اور باغوں کا رکھوالا یا مویشیوں کے لئے چرواہا بنا دیں، ہمیں اس وقت کام کرنے والوں کی اشد ضرورت ہے۔ اس لئے اگر ایک قوی بازو نوجوان ہمارے ہاتھ آتا ہے تو ہمیں اسے خوش رکھنا چاہیئے، نہ یہ کہ اُسے نکال باہر کریں۔"

پادری کی ہنسی سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھی۔ اس نے اپنی بھرواں
ڈاڑھی میں انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے کہا،
اگر یہ نوجوان کام کے لئے موزوں ہوتا تو پادری ہی اُسے کیوں
نکالتے جبکہ گرجا کی زمین وسیع اور مویشی بے شمار ہیں گرجا کے ایک گدھے
ہنکانے والے نے، جو کل رات میرے ہی پاس ٹھہرا تھا، مجھے بتایا کہ یہ نوجوان
راہبوں کے سامنے کفر کے کلمے دہراتا تھا، اور اس انقلابی لہجہ میں دہراتا
تھا جو اس کی بہالت دخباثت پہ دلالت کرتا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ جرأت
کی اور راہبوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر اُن سے کہا :
"گرجا کی زمینیں، باغ اور سارا مال و متاع اس گاؤں کے غریب
باشندوں کو واپس کر دو اور دنیا کے مختلف حصوں میں بٹ جاؤ کہ یہ نماز اور
عبادت سے بہتر ہے"۔ اسی گدھے والے نے مجھے بتایا کہ ملامت آمیز
سرزنش، کوڑوں کی مار اور قید خانہ کی تاریکی بھی اس کے حواس بجا نہ کر سکی۔
اس کے برخلاف وہ شیطان برابر نشو و نما پاتا رہا جو اس کی روح پر مسلط تھا۔
جس طرح ڈلاؤ کی گندگی سے ناپاک کیڑوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔
شیخ عباس ایک دم کھڑا ہو گیا اور اس چیتے کی طرح جو حملہ سے پہلے

دو چار قدم پیچھے ہٹتا ہے۔ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑا دانت پیستا اور غصہ سے کانپتا رہا، اس کے بعد دروازہ کی طرف گیا اور بلند آواز میں اپنے نوکروں کو آوازدی، تین خادم آئے اور اس کے سامنے مؤدب کھڑے ہوکر حکم کا انتظار کرنے لگے۔ شیخ عباس نے گرجتے ہوئے کہا،

"بیوہ راحیل کے ہاں راہب کے لباس میں ایک مجرم نوجوان ہے ابھی جاؤ اور اسے گرفتار کرکے ہمارے سامنے حاضر کرو۔ اور اگر راحیل مزاحمت کرے تو اُسے بھی چٹیا پکڑ کر، برف پر گھسیٹتے ہوئے لے آنا۔ باغی کا ساتھی بھی باغی ہے۔"

خادموں نے سر جھکایا اور اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کے لئے تیزی سے روانہ ہوگئے۔ لیکن عباس اور کاہن وہیں بیٹھے اس امر پہ گفتگو کرتے رہے کہ باغی نوجوان اور راحیل کو کیا سزا دی جائے؟

(۶)

دن چھپ گیا اور رات، برف میں کفنائی ہوئی ان جھونپڑیوں پر اپنی پرچھائیاں پھیلاتی ہوئی آگئی۔ اس سرد و تاریک فضا میں ستارے اس طرح نمودار ہوئے جس طرح نزع اور موت کی تکلیفوں کے پردے سے بقائے دوام کی آرزو ظہور میں آتی ہے۔ کسانوں نے دروازے اور کھڑکیاں بند کرلیں اور چراغ جلا کر آگ تاپنے کے لئے آتش دانوں کے پاس بیٹھ گئے، رات کی ان پرچھائیوں سے بے پروا ہوکر، جو ان کے مکانوں کے گرد چکر لگا رہی تھیں۔

اس وقت جبکہ راحیل، اس کی بیٹی مریم اور خلیل لکڑی کی چوکی کے گرد بیٹھے، رات کا کھانا کھا رہے تھے، دروازہ کی کنڈی بجی، اور

شیخ عباس کے نوکر داخل ہوئے، راحیل نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا اور مریم مارے خوف کے چونک پڑی، لیکن خلیل خاموش بیٹھا رہا، گویا اس کی بزرگ روح ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہی ان کی آمد کی اطلاع پاکر ہوشیار ہو گئی تھی۔ ان میں سے ایک خادم آگے بڑھا اور بیدردی سے اپنا ہاتھ خلیل کے کندھے پر رکھ کر کرخت لہجہ میں بولا:

"کیا تو ہی گرجا سے نکالا ہوا نوجوان ہے؟"

خلیل نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا:

"ہاں، میں ہی ہوں! کہیئے کیا بات ہے؟"

وہی خادم بولا:

"ہم تجھے گرفتار کر کے شیخ عباس کے حضور میں حاضر کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تو نے ذرا بھی چرچرکی، تو ہم تجھے ذبح شدہ بھیڑ کی طرح برف پر گھسیٹتے ہوئے لے جائیں گے۔"

راحیل ایک دم کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور پیشانی پر شکن ہو گئی۔ لرزتی ہوئی آواز میں اس نے کہا:

"انہوں نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے جس کی بنا پر انہیں شیخ عباس

کے سامنے حاضر ہونا ہے؟ تم انہیں کس جُرم کی بنا پر گرفتار کر کے لے جانا چاہتے ہو؟"

اور مریم نے کہا، اس طرح کہ امید اور رحم طلبی کا نغمہ اس کی آواز میں شامل تھا:

"یہ تنہا ہیں اور تم تین تین، اس لئے تمہارا انہیں ذلیل کرنے اور تکلیف پہنچانے میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا بزدلی ہے۔"

خادم کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا اور اس نے چلّا کر کہا:

"کیا اس گاؤں میں کوئی ایسی عورت بھی ہے جو شیخ عباس کے حکم سے انحراف کرے؟"

یہ کہہ کر اپنی جیب سے ایک مضبوط رسّی نکالی اور خلیل کی مشکیں کسنے کے ارادے سے آگے بڑھا، نوجوان کھڑا ہو گیا، اس کا چہرہ بالکل متغیّر نہ ہوا۔ بلکہ اس کا سر اونچا رہا، جیسے بگولوں کے سامنے سنگین قلعہ۔ اس کے لبوں پر غمگین تبسّم نمودار ہوا اور اُس نے کہا:

"بھائیو! مجھے تم سے ہمدردی ہے، اس لئے کہ تم ایک کمزور آنکھوں والے کے ہاتھ میں ایک طاقت ور اندھا آلہ ہو، وہ تم پر ظلم کرتا ہے

اور تمہارے بازوؤں کی قوت سے کمزوروں کو پیٹتا ہے۔ تم جہالت کے غلام ہو، اور جہالت حبشی کے چہرے سے زیادہ سیاہ اور سب چیزوں سے زیادہ ظلم و سنگ دلی کی فرمانبردار ہے۔ کل تک میں تم جیسا تھا اور کل تک تم مجھ جیسے ہو جاؤ گے۔ لیکن اس وقت میرے اور تمہارے درمیان ایک گہرا غار ہے، جو میری آواز کو جذب کر رہا ہے۔ اور تم پر میری حقیقت ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ تم سُن سکتے ہو نہ دیکھ سکتے ہو۔ لو آؤ! میں حاضر ہوں، میری مشکیں کس لو اور جو تمہارا جی چاہے میرے ساتھ سلوک کر دو!"

آنے والوں نے یہ بات سُنی اور ان کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ اُن کے جسم پر پھریری آئی، اور وہ نوجوان کو تھوڑی دیر تک حیرت و استعجاب سے دیکھتے رہے۔ گویا اس کی آواز کی شیرینی نے ان کے جسموں سے حرکت چھین لی ہے، اور ان کے بلند میلانات کو بیدار کر دیا ہے، جو ان کے دل کی گہرائیوں میں سو رہے تھے۔ لیکن یک لخت وہ چونک پڑے۔ گویا شیخ عباس کی آواز ان کے کانوں میں گونج رہی ہے، اور انہیں وہ فرض یاد دلا رہی ہے، جس کی تکمیل کے لئے انہیں بھیجا گیا

تھا۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے اور نوجوان کی مشکیں کس لیں۔ خاموشی
کے ساتھ وہ گھر سے نکلے، انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے
دل کے ہر گوشہ میں کوئی الم ناک چیز کھٹک رہی ہے۔ راحیل اور
مریم ان کے ساتھ ساتھ ہو لیں۔ وہ خلیل کے پیچھے پیچھے شیخ عباس
کے مکان کی طرف جا رہی تھیں، جس طرح بیت المقدس کی لڑکیاں
مسیحؑ کے پیچھے پیچھے تھیں، جب ظالم انہیں کوہ جلجلہ کی طرف لے جا
رہے تھے۔

(۷)

خبریں، عام اس سے کہ اہم ہوں یا معمولی، جہاں تک چھوٹے چھوٹے گاؤں کا تعلق ہے، خلکر کی سی تیزی سے پھیلتی ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ غریب کسان اجتماعی زندگی کے لگاتار مشاغل سے دور رہتے ہیں اور یہ دوری اُنہیں واقعات کی تحقیق و تلاش میں ہمہ تن مصروف رہنے سے باز رکھتی ہے، جو ان کے محدود دائرہ میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ جاڑوں میں جب کھیت اور باغ برف کے لحافوں میں محوِ خواب ہوتے ہیں اور ٹھٹھری ہوئی خوف زدہ زندگی آتش دانوں کے آس پاس گوشہ گیر، تو گاؤں والوں میں خبریں معلوم کرنے کا یہ شوق اور بھی بڑھ جاتا ہے،

تاکہ خالی دن خبروں کی تاثیرات سے مشغلہ انگیز اور مسرور راتیں اُن پہ تبصرہ کرنے میں بسر ہو جائیں۔

چنانچہ شیخ عباس کے آدمیوں نے خلیل کو گرفتار کیا ہی تھا کہ یہ خبر چھوت کی بیماری کی طرح سارے گاؤں میں پھیل کر دیہاتیوں میں شوقِ دریافت کو بھڑکا گئی، وہ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر منتشر فوج کی طرح چاروں طرف سے دوڑ دوڑ کر آنے لگے۔ گرفتار شدہ نوجوان ابھی شیخ عباس کے گھر پہ پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ اس کا شاندار دیوان خانہ مرد، عورتوں اور بچوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ تماشائی شوق و اضطراب کے عالم میں بار بار اپنی گردنیں اٹھا رہے تھے کہ ایک نظر گرجا سے نکالے ہوئے ملا کو دیکھ لیں اور بیوہ راحیل اور اس کی بیٹی مریم کو بھی جن کی خبیث روحوں نے گاؤں کی فضا کو جہنمی بیماریوں سے زہر آلود کرنے میں اس نوجوان کا ساتھ دیا تھا۔

شیخ عباس ایک بلند کرسی پہ "رونق افروز" ہوا اور اس کے برابر والی کرسی پہ پادری الیاس پاؤں پہ پاؤں رکھ کر بیٹھ گیا۔ کسان اور خادم، سراپا انتظار کھڑے تھے، ان کی نگاہیں مشکیں کسے نوجوان پہ

جمی تھیں۔ جوان اُن کے درمیان اس طرح سر اُونچا کئے کھڑا تھا جیسے وادیوں میں بلند پہاڑ۔ راحیل اور مریم اس کے پیچھے کھڑی تھیں، خوف ان کے دلوں پر طاری تھا اور لوگوں کی بے رحم نگاہیں ان کی روحوں کو برما رہی تھیں۔ لیکن خوف اس عورت کے جذبات پر کیا اثر کر سکتا ہے، جس نے حق کو دیکھا اور اس کے پیچھے پیچھے ہولی اور بے رحم نگاہیں اس دوشیزہ کے دل کو کیا متاثر کر سکتی ہیں جس نے محبت کی آواز سُنی اور بیدار ہو گئی۔

شیخ عباس نے نوجوان کی طرف دیکھا اور رعوبوں کے شور سے ملتی جلتی آوازیں اس سے پوچھا:

"تیرا نام کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"خلیل!"

شیخ نے دوبارہ سوال کیا:

"تیرے عزیز و اقارب کون ہیں اور وطن کہاں ہے؟"

خلیل نے کسانوں کی طرف نگاہ کی جو اُنہیں ذلت و حقارت سے دیکھ رہے تھے اور کہا:

"یہ مظلوم فقیر و مسکین میرے عزیز و اقارب ہیں؛ اور یہ وسیع ملک میرا وطن ہے!"

شیخ عباس از راہِ طنز مسکرایا اور کہا:

"جن لوگوں کی طرف تو اپنے آپ کو منسوب کر رہا ہے وہ تجھے سزا دلوانا چاہتے ہیں، اور جس ملک کو تو اپنا وطن بتا رہا ہے، وہ تجھے اپنا باشندہ تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔"

نوجوان کا دل بے چین ہو گیا اور اس نے کہا:

"جاہل قومیں اپنے سپوتوں کو پکڑ کر ظالموں کے حوالے کر دیتی ہیں اور نفرت و ذلت سے بھرا ہوا ملک اپنے مخلصوں اور عاشقوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتا ہے۔ لیکن کیا نیک لڑکا اپنی ماں کو چھوڑ دیتا ہے جب کہ وہ بیمار ہو اور مہربان بھائی اپنے بھائی کو بھلا دیتا ہے جب کہ وہ گردشِ روزگار کا اسیر ہو۔ یہ غریب جنہوں نے آج میری مشکیں کس کر آپ کے سپرد کیا ہے، وہی ہیں جنہوں نے کل اپنی گردنیں آپ کے حوالے کی تھیں۔ یہ کسان جنہوں نے ذلت آمیز طریقہ سے مجھے آپ کے حضور کھڑا کیا ہے، وہی ہیں جو آپ کی زمینوں میں اپنے دل کے بیج بوتے

ہیں اور آپ کے قدموں پر اپنے جسم کا خون بہاتے ہیں، اور یہ زمین جو مجھے اپنا باشندہ تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے، وہی زمین ہے جو اپنا منہ کھول کر بے ایمانوں اور حریصوں کو نگل نہیں جاتی۔

شیخ عباس نے ایک قہقہہ لگایا، گویا نوجوان کی روح کو اس کی سماعت خراشیوں میں غرق کر دینا چاہتا ہے۔ گویا اسے سادہ لوح تماشائیوں کی روح تک پہنچنے سے روک دینا چاہتا ہے۔ اس نے کہا:

"گستاخ! کیا تو گرجا کے مویشیوں کا چرواہا نہیں تھا؟ پھر تو نے اپنی رعایا کو کیوں چھوڑا اور گرجا سے کیوں نکال باہر کیا گیا؟ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ قوم پاک راہبوں کے مقابلہ میں ملحد مجذوبوں سے زیادہ ہمدردی رکھے گی؟"

خلیل نے جواب دیا:

"میں چرواہا تھا، قصائی نہیں۔ میں بھیڑوں کو سرسبز میدانوں میں شاداب چراگاہوں میں لے جاتا تھا۔ بے آب و گیاہ ٹیلوں پر نہیں، میں انہیں شیریں چشموں پر پانی پلاتا تھا اور گندے جوہڑوں سے دور رکھتا

تھا۔ میں ان کو شام ہوتے باڑیں واپس لے جاتا تھا۔ بھیڑیوں اور خونخوار درندوں کا شکار ہونے کے لئے وادی میں نہیں چھوڑتا تھا۔ میں حیوانوں کے ساتھ یہ سلوک کرتا تھا اور اگر آپ بھی ان دبلی پتلی بھیڑوں کے ریوڑ کے ساتھ جو اس وقت ہمارے گرد محیط ہے، مجھ جیسا سلوک کرتے، تو اس عالی شان محل میں کس طرح رہتے اور تنگ و تاریک جھونپڑیوں میں بھوک سے تڑپ تڑپ کر مرنے کے لئے کیوں چھوڑ دیتے ہیں؟ اگر آپ بھی اللہ کے مایوس و نامراد بندوں پر اسی طرح رحم کھاتے جس طرح میں گر جانے مویشیوں پر کھاتا تھا، تو اس وقت اس نرم و گداز تخت پر کیسے بیٹھے ہوتے، اور یہ لوگ آپ کے سامنے اس طرح کیوں کھڑے ہوتے جیسے پچھوا ہوا کے سامنے بے برگ و بار شاخیں۔"

شیخ عباس شدتِ اضطراب سے لرزا تھا۔ اس کی پیشانی پر سرد پسینہ کے قطرے چمکنے لگے، اور اس کی ہنسی غصہ سے بدل گئی۔ لیکن اس نے اپنے آپ پر قابو پایا مبادا اس کا خوف اور پریشانی حاضرین پر ظاہر ہو جائے۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"بے ایمان! ہم نے تجھے گرفتار کرا کے اس لئے یہاں نہیں بلایا

ہے کہ تیری بکواس سُنیں، بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ بدمعاش مجرم کی طرح تیرا فیصلہ کریں، تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ اس وقت تو اس گاؤں کے سردار کے سامنے کھڑا ہے، جو امیر امین شہابیؒ (خدا اس کی مدد کرے) کا نمائندہ ہے، پادری الیاس کے سامنے کھڑا ہے، جو اس مقدس کلیسا کا نمائندہ ہے، جس سے تو نے بغاوت کی ہے۔ اس لئے تجھ پر واجب ہے کہ ان الزامات کی تردید کرے جو تجھ پر لگائے گئے ہیں۔ یا اظہارِ ندامت کے ساتھ ہم سے رحم کا طالب ہو، اور ہمارے اس مجمع کے سامنے، جو تجھ پر ہنس رہا ہے، سر جھکا دے۔ ہم تجھ کو معاف کر دیں گے اور کلیسا کی طرح تجھے مویشیوں کا چرواہا بنا دیں گے!"

نوجوان نے مطمئن اور باوقار لہجہ میں جواب دیا:

"مجرم کا فیصلہ مجرم نہیں کر سکتے اور بدمعاش بدمعاشوں کے سامنے ان الزامات کی تردید کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا، جو اُس پر لگائے گئے ہوں۔"

یہ کہہ کر ان لوگوں کی طرف دیکھا جو اُس وسیع دیوان خانے میں انبوہ کثیر

لہ امیر امین شہابی، سلطانِ اعظم بشیر شہابی کا بیٹا جو اپنے باپ کی وفات کے بعد لبنان کا فرمانروا ہوا۔

کی صورت میں جمع تھے۔ اور بلند آوازیں، جو نقرئی گھنٹوں کی جھنکار سے مشابہ تھی۔ اُنہیں مخاطب کرکے کہا:

"بھائیو! اس شخص نے، جسے تمہاری اطاعت و فرمانبرداری نے تمہاری زمینوں کا مالک بنا دیا ہے، مجھے گرفتار کرا کے بلایا ہے کہ تمہارے سامنے اس دیوان خانے میں مجھ پر اپنا فیصلہ صادر کرے، جو تمہارے باپ دادا کی ہڈیوں پر تعمیر کرایا گیا ہے۔ اور وہ شخص، جسے تمہارے جذبۂ ایمانی نے تمہارے گرجا کا پادری بنایا ہے، مجھے تکلیف پہنچانے اور ذلیل کرنے میں اس کا ساتھ دینے آیا ہے۔ لیکن تم؟ —— تم چاروں طرف سے دوڑے دوڑے آئے ہو کہ مجھے اذیت میں مبتلا ہوتے دیکھو اور رحم و ہمدردی کے لئے فریاد کرتے سُنو۔ تم نے گرم آتش دانوں کی قربت کو خیرباد کہہ دیا ہے، اس لئے کہ اپنے بیٹے اور بھائی کو ذلت کے ساتھ رسیوں میں جکڑا ہوا دیکھو۔ تم لپک لپک کر آئے ہو کہ درندوں کے چنگل میں تکلیف سے کراہتے ہوئے شکار کا تماشا کرو۔ تم آئے ہو کہ باغی مجرم کو حاکموں کے سامنے کھڑا دیکھو، لو! میں ہوں وہ مجرم! میں ہوں وہ باغی، جسے

گرجا سے نکالا گیا۔ اور آندھی کے جھکڑ اُسے تمہارے گاؤں میں اُڑا لائے۔
میں ہوں وہ بدمعاش، میری پکار سنو! اور میرے ساتھ ہمدردی نہیں
انصاف کرو! اس لئے کہ ہمدردی صرف کمزور مجرموں کے لئے جائز
ہے۔ لیکن انصاف وہ چیز ہے جس کا طالب ہر بے گناہ ہوتا ہے۔
میں تمہیں کو اپنا قاضی بناتا ہوں، اس لئے کہ قوم کا ارادہ خدا کا ارادہ ہوتا
ہے۔ اپنے دلوں کو بیدار کرو اور میری بات خوب غور سے سُن کر اپنے ضمیر
کی روشنی میں میرا فیصلہ کرو۔ تم سے کہا گیا ہے کہ میں باغی اور سرکش ہوں۔
لیکن تمہیں اب تک یہ معلوم نہیں کہ میرا قصور کیا ہے۔ تم نے مجھے قاتل چور
کی طرح مشکلیں کسا دیکھا ہے۔ لیکن میرے جرم سے اب تک تمہارے
کان آشنا نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ اس ملک میں جرم وگناہ کی حقیقت
کُہر میں چھُپی ہوتی ہے لیکن سزا لوگوں پر اس طرح ظاہر ہوتی ہے جیسے
رات کی تاریکی میں بجلی کی تلواریں۔

بھائیو! میرا جرم تمہاری بدبختی کا ادراک اور تمہاری زنجیروں کی گرانباری
کا احساس ہے! بہنو! میرا گناہ تم سے اور تمہارے ان بچوں سے ہمدردی
ہے۔ جو تمہارے سینوں سے موت کی تشنگی ملی زندگی چوستے ہیں۔ میں

تمہیں میں سے ایک ہوں۔ میرے باپ دادا بھی انہیں وادیوں میں پلے بڑھے ہیں، جنہیں تمہاری قوتوں نے بارآور کیا ہے اور اسی جوئے کے نیچے مرے ہیں، جنہوں نے تمہاری گردنیں دوہری کر رکھی ہیں۔ میں اس خدا پر ایمان رکھتا ہوں، جو تمہاری دردناک روحوں کی پکار سنتا ہے۔ اور تمہارے دھڑکتے ہوئے دلوں کو دیکھتا ہے۔ اس کتاب پر ایمان رکھتا ہوں جس نے مجھے اور تمہیں برابر کا بھائی بنایا ہے۔ ان تعلیمات پر ایمان رکھتا ہوں جنہوں نے مجھے اور تمہیں انسان کی بندگی سے آزاد کر کے اس زمین پر لا کھڑا کیا ہے، جو ذاتِ خداوندی کا فرش پاانداز ہے۔ میں گرجا میں مویشیوں کا چرواہا تھا۔ لیکن میری تنہائی نے خاموش جنگل اور گونگے جانوروں کی معیت کے باوجود مجھے اس ٹریجیڈی کی طرف سے اندھا نہیں کیا، جو طوعاً و کرہاً تمہیں کھیتوں میں کھیلنی پڑتی ہے۔ اور مایوسی کی اس پکار کی طرف سے میرے کان بہرے نہیں کئے، جو جھونپڑیوں کے کونے کھدروں سے اٹھتی ہے۔ میں نے دیکھا تو خود کو گرجا میں اور تمہیں کھیتوں میں بھیڑوں کے ایک ریوڑ کی مثال پایا۔ جو خونخوار بھیڑیئے کے پیچھے پیچھے اس غار کی طرف جا رہا تھا۔ میں بیچ راستے میں ٹھہر گیا۔

اور مدد کے لیۓ چلانے لگا۔ یہ دیکھ کر بھیڑیا مجھ پر جھپٹا اور اپنے فولادی
چنگلوں سے مجھے زخمی کر دیا۔ اس کے بعد نہایت مکاری سے کام لے کر
مجھے ریوڑ سے الگ کر دیا۔ مبادا میری پکار بھیڑوں کی روح کو بیدار
کر دے۔ ان کے دلوں میں بغاوت کے جذبات بھڑکا دے اور وہ اِدھر
اُدھر منتشر ہو کر اسے رات کی تاریکیوں میں تنہا اور بھوکا چھوڑ دیں۔

میں نے اس جراحت کا حقیقت کے لیۓ جو تمہاری پیشانیوں پر مجھے
خون سے لکھی دکھائی دی، قید، بھوک اور پیاس کی مصیبتیں برداشت کیں۔
تمہاری آہوں کے سکوت کو ایک ایسی بلند آواز بنانے کی پاداش میں، جو
وادی کی خلاؤں میں گونجتی تھی، اذیتیں سہیں۔ لاتوں اور گھونسوں کو
گوارا کیا۔ طنز و استہزا کے نشتر انگیز رہے۔ لیکن کبھی خوف زدہ ہوا، نہ
اپنا دل تھوڑا کیا۔ اس لیۓ کہ تمہاری الم ناک فریادیں میرے ساتھ ساتھ
تھیں، اور میری قوتوں کو اُبھار اُبھار کر ظلم، حقارت اور موت کو میرے
لیۓ پسندیدہ بناتی تھیں ——— تم اس وقت اپنے آپ سے
پوچھ رہے ہو گے: ہم نے کیا مظلومی کی فریاد کی۔ ہم میں سے
کون شخص ہے، جس نے لب کشائی کی جرأت کی؟ لیکن میں تم

سے کہتا ہوں کہ تمہاری روحیں ہر روز مظلومی کے عالم میں چیختی ہیں اور
تمہارے دل ہر رات درد و الم کی حالت میں فریاد کرتے ہیں۔ لیکن تم
اپنی روحوں کی پکار سنتے ہو، نہ اپنے دلوں کی فریاد پر کان دھرتے ہو!
مرنے والا اپنے سینہ کی خرخراہٹ نہیں سنتا۔ لیکن اس کے بستر
کے قریب بیٹھنے والے سنتے ہیں۔ ذبح شدہ پرندہ، اضطراری طور پر
پھڑپھڑاتا ہے اور نہیں جانتا، لیکن دیکھنے والے جانتے ہیں ——
دن کی وہ کون سی گھڑی ہے جس میں تمہاری روحیں درد سے بے چین
ہو کر آہیں نہیں بھرتیں؟ کیا صبح کے وقت، جب زندہ رہنے کی محبت
تمہیں جھنجھوڑتی ہے، تمہاری پلکوں سے نیند کی نقاب کو تار تار کر کے
نوچ لیتی ہے اور تمہیں غلاموں کی طرح کھیتوں میں لے جاتی ہے؟ یا
دوپہر کو جب تم درختوں کے سایہ میں بیٹھنے کی تمنا کرتے ہو تاکہ سورج کے
گرم تیروں سے خود کو بچا سکو، لیکن نہیں بچا سکتے؟ کیا شام کے وقت
جب تم بھوکے پیاسے اپنے جھونپڑوں کی طرف لوٹتے ہو۔ لیکن
سوکھی روٹی اور گدلے پانی کے سوا کچھ نہیں پاتے؟ یا رات کو جب دن بھر
کی تکان تمہیں پتھروں کے فرش پہ لٹاتی ہے اور تم کروٹیں لیتے لیتے

سو جاتے ہو۔ لیکن ابھی نیند تمہاری پلکوں کو سرگیں نہیں بناتی کہ
خوف زدہ ہو کر چونک پڑتے ہو، اور گمان کرتے ہو کہ شیخ کی آواز تمہارے
کانوں میں گونج رہی ہے! —— سال کا وہ کون سا دن ہے جس
میں تمہارے دل حسرت زدگی کے عالم میں نالہ و ماتم نہیں کرتے؟
کیا بہار جب فطرت کا ایک نیا جوڑا پہن لیتی ہے اور تم پھٹے پرانے
کپڑے پہنے اسے دیکھنے کے لیے نکلتے ہو؟ یا گرمیاں جب تم کھیت
کاٹتے ہو اور خرمن جمع کرتے ہو، اپنے ظالم آقا کے لئے غلہ سے بھرتے
ہو اور اپنی ان تمام محنتوں کے بدلے کچھ نہیں پاتے سوائے گھاس
پھونس کے؟ کیا خزاں جب تم پھل جمع کرتے ہو اور انگوروں کا رس
نچوڑتے ہو۔ لیکن اس میں تمہارا حصہ کچھ نہیں ہوتا، سوائے سرکہ اور بلوط
کے؟ یا جاڑے۔ جب قضا تم پر ستم ڈھاتی ہے، سردی اور خنکی تمہیں برف
میں لپٹے ہوئے جھونپڑوں کی طرف بھگاتی ہے۔ اور تم آتش دانوں کے
قریب بیٹھ کر تکلیف سے کراہتے اور آندھیوں اور بگولوں کے غضب
سے ڈرتے ہو؟ فقیرو! یہ ہے تمہاری زندگی!! بدبختو! یہ ہے وہ تاریک
رات، جو تمہاری روحوں پر خیمہ زن ہے۔ محتاجو! یہ ہیں تمہاری

ذلت و بدبختی کی پرچھائیاں۔ نامراد! یہ ہے وہ مستقل اور الم ناک فریاد، جسے میں نے تمہارے سینوں سے نکلتے سُنا اور بیدار ہو گیا۔ میں نے راہبوں کے خلاف بغاوت کی اور ان کی زندگی سے روگرداں ہو گیا۔ میں تمہارے اور اس انصاف کے نام پر جو تمہاری تکلیفوں سے تکلیف میں مبتلا ہو، یکہ و تنہا ظلم برداشت کرنے کھڑا ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے مجھے کافر اور باغی سپاہی گردان کر گرجا سے نکال دیا اور میں یہاں آگیا کہ میں تمہارے ساتھ زندگی بسر کر کے تمہاری بدبختی میں حصہ لوں اور اپنے آنسو تمہارے آنسوؤں میں شامل کروں لیکن لوگوں نے میری مشکیں کس کر تمہارے اس طاقت ور دشمن کے سپرد کر دیا جو تمہاری خیرات پر جیتا ہے۔ تمہاری دولت کے بل پر بادشاہوں کی سی زندگی بسر کرتا ہے اور تمہاری محنتوں کے ثمر سے اپنا دیو ہیکل پیٹ بھرتا ہے۔

کیا تم میں وہ بوڑھے نہیں ہیں جو بتا سکیں کہ وہ کھیت جنہیں بینے اور جوتنے کے باوجود، تم ان کی پیداوار سے محروم رہتے ہو، دراصل تمہارے تھے۔ لیکن شیخ عباس کے باپ نے تمہارے باپ دادا سے چھین لئے۔ جب قانون تلوار کی باڑھ پر کندہ تھا۔ کیا تم نے نہیں سُنا کہ راہبوں

نے تمہارے بزرگوں سے چال کی اور ان کے کھیت اور باغوں پر قبضہ
کرلیا، جب دین کی آیتیں کاہن کے ہونٹوں پر لکھی ہوئی تھیں ؟ کیا تم نہیں
جانتے کہ مذہب کے ٹھیکیدار اور موروثی امیرزادے تمہیں حقیر اور ذلیل
کرنے اور تمہارے دلوں کا خون چوسنے کے لئے ایک دوسرے کی مدد
کرتے ہیں ؟ تم میں کون ایسا مرد ہے، جس کی گردن پادری کے کلیسا نے
زمیندار کے سامنے نہیں جھکوائی ؟ اور تم میں کون ایسی عورت ہے
جسے زمیندار نے ڈانٹ ڈپٹ کر گرجا کے پادری کی مرضی پر چلنے
کے لئے مجبور نہیں کیا۔

تم نے سُنا ہوگا کہ اللہ نے انسان سے کہا تھا: "محنت کرو۔ روٹی
کھاؤ" پھر شیخ عباس وہ روٹی کیوں کھاتا ہے جو تمہارے ماتھے کے پسینہ
سے گندھی ہے، اور وہ شراب کیوں پیتا ہے جس میں تمہارے آنسو شامل
ہیں ؟ کیا اللہ نے اس شخص کو ماں کے پیٹ ہی سے عظمت و امتیاز اور امارت
و سیادت، کا مرکز بنا کر بھیجا ہے۔ یا نامعلوم گناہوں کی بنا پر تم سے ناراض ہوکر
تمہیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہے کہ تم کھیتوں کا غلہ جمع کرو اور وادیوں
کے کانٹے کھاؤ۔ شاندار محل تیار کرو اور ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں میں رہو ـــ !

تم نے سنا ہوگا کہ مسیح نے اپنے حواریوں سے کہا تھا: "تمہیں فطرت کی طرف سے جو کچھ ملا ہے، مفت ملا ہے۔ اس لئے تم بھی لوگوں کو جو کچھ دو مفت دو! ——— چاندی سونے اور تانبے کی پیٹیوں سے، خود کو مقید اور ذلیل نہ کرو!" تو پھر کون سی تعلیمات ہیں جنہوں نے راہبوں اور کاہنوں کے لئے جائز کر دیا کہ وہ اپنی نمازیں اور منتر چاندی اور سونے کے عوض فروخت کریں؟ ———

تم رات کی خاموشی میں دعائیں مانگتے ہو "یارب! ہمیں پیٹ بھر کے روٹی اور زندگی کی دوسری ضروریات عطا فرما!" اور پروردگار عالم نے تمہیں یہ زمین عطا فرمائی، جو تمہارے لئے روزی اور زندگی کی ضروریات فراہم کرتی ہے، تو کیا اللہ نے گرجا کے سرداروں کو قوت اس لئے دی ہے کہ وہ تمہارے ہاتھوں سے روٹی چھین لیں؟ تم یہودا پر لعنت بھیجتے ہو کہ اس نے چاندی کے ٹکڑوں کے عوض اپنے آقا کو فروخت کر دیا، پھر وہ کیا بات ہے، جس کی بناء پر تم ان لوگوں کو مبارک باد دیتے ہو۔ جو اپنی زندگی میں ہر روز یہی کام کرتے ہیں۔ بدبخت یہودا تو اپنی غلطی پر نادم بھی ہوگیا تھا اور اس نے خود کو گلا گھونٹ کر ختم بھی کر دیا تھا۔ لیکن یہ لوگ، تو تنی موٹی گردنوں۔ لمبی لمبی حریری

قباؤں، طلائی ہاروں اور قیمتی انگوٹھیوں کے ساتھ تمہارے سامنے چلتے پھرتے ہیں، تم تو اپنے بچوں کو مسیحؑ ناصری کی محبت کی تعلیم دیتے ہو پھر انہیں مسیحؑ سے بغض و عناد رکھنے والوں اور اس کی تعلیمات و شریعت کے مخالفوں کے سامنے گڑگڑانا کیوں سکھاتے ہو؟ تمہیں معلوم ہے کہ مسیحؑ کے سارے قاصد تلوار سے گھاٹ اتار دیئے گئے، یا سنگسار کر دیئے گئے۔ صرف اس لئے کہ تم میں مقدس روح مردہ نہ ہونے پائے؛ لیکن کیا تم جانتے ہو کہ راہب اور کاہن تمہاری روحوں کو قتل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ تمہاری خیراتوں سے گلچھرے اڑائیں اور تمہاری قید و بند کی تکلیفوں سے لذت اندوز ہوں؟ قسمت کے مارو! وہ کیا چیز ہے جو تمہیں ذلت و حقارت سے بھری ہوئی زندگی کے فریب میں مبتلا کرتی ہے، اس خوفناک بت کے سامنے تمہیں سجدہ ریز رکھتی ہے۔ جسے جھوٹ اور ریاکاری نے تمہارے آباؤ اجداد کی قبروں پر نصب کیا ہے؟ وہ کون سا گنج شایگاں ہے، جس کی حفاظت تم اپنی اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعے کرتے ہو تاکہ اپنی اولاد کے لئے اسے ورثہ میں چھوڑ جاؤ؟

تمہاری روحیں کاہن کی مٹھی میں، تمہارے جسم حاکم کے شکنجے میں اور

تمہارے دل یاس و نومیدی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ہیں۔ زندگی کی وہ کون سی شے ہے جس کی طرف تم یہ کہہ کر اشارہ کر سکو کہ "یہ ہماری ہے!" اے کمزور غلامو! کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون کاہن ہے، جس سے تم مرعوب ہو اور جسے تم نے اپنی روحوں کے مقدس ترین اسرار کا امین بنایا ہے؟ سنو میں تمہیں وہ بات سناتا ہوں جو تم محسوس تو کرتے ہو لیکن اس کے اظہار سے کانپ جاتے ہو۔

وہ بے ایمان ہے، جسے عیسائی مقدس کتاب دیتے ہیں اور وہ اسے ایک جال بنا کر ان کے مال و متاع شکار کرتا ہے۔ وہ مکار و دغاباز ہے، جسے اہلِ ایمان حسین صلیب عطا کرتے ہیں اور وہ اسے آبدار شمشیر بنا کر ان کے سروں پر کھینچ لیتا ہے، وہ ظالم ہے جس کے سپرد کمزور اپنی گردنیں کرتے ہیں، اور وہ انہیں رسیوں سے باندھ کر، آہنی طوقوں سے جکڑ کر، اپنے فولادی ہاتھوں سے دبوچتا ہے اور اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک کہ وہ مٹی کے برتنوں کی طرح پس کر راکھ کی طرح فضا میں منتشر نہ ہو جائیں۔ وہ خوفناک بھیڑیا ہے جو باڑے میں داخل ہوتا ہے اور چرواہا اسے بھیڑ کا بچہ سمجھ کر اطمینان سے سو جاتا ہے۔ لیکن جب رات کی تاریکی دن کی روشنی پر غالب

آتی ہے تو وہ ریوڑ پر جھپٹ کے ایک ایک بھیڑ کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔
وہ پیٹ کا کتا ہے جو لذیذ دم پخت غذاؤں سے چنے ہوئے دسترخوانوں کی ابیل
کی قربان گاہوں سے زیادہ عزت کرتا ہے، لالچی ہے، جو دولت کی حرص
میں جنون کے غاروں تک میں پہنچ جاتا ہے اور غلاموں کا خون چوستا ہے، جس
طرح ایک صحرا بارش کے قطروں کو چوستا ہے، کنجوس ہے، جو اپنے انفاس
تک کی حرص کرتا ہے، اور وہ چیزیں بٹورتا ہے، جن کی اسے مطلق ضرورت نہیں
ہوتی۔ وہ چور ہے جو دیوار کے شگافوں میں سے داخل ہوتا ہے اور اس
وقت تک نہیں نکلتا ہے، جب تک مکان ڈھ نہ جائے، وہ سنگدل ڈاکو ہے
جو بیوہ سے ایک درہم اور یتیم سے ایک پیسہ چھیننے میں باک نہیں کرتا، وہ
عجیب و غریب مخلوق ہے، جس کی چونچ گدھ کی سی، پنجے چیتے کے سے،
دانت بجّو کے سے اور پھنکار سانپ کی سی ہے۔ تم اس کی کتاب چھین لو۔
اس کے کپڑے پھاڑ ڈالو۔ اور اس کی ڈاڑھی نوچ لو۔ غرض جو تمہارا جی چاہے،
اس کے ساتھ کرو لیکن اس کے ہاتھ پر ایک دینار رکھ دو، وہ تمہیں معاف
کر دے گا اور محبت کی مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیلنے لگے گی، تم اس کے رخسار
پر طمانچہ مار دو، اس کے منہ پر تھوک دو، اس کی گردن مروڑ لو، لیکن اس کے

بورا سے اپنے دسترخوان پر بٹھاؤ، وہ یہ سب کچھ بھول جائے گا - اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھے گا، اور وہ تمہارے سامانِ خورد و نوش سے پیٹ بھرنے کے لیے اپنا کمربند ڈھیلا کرے گا۔ تم اس کے خدا کو برا بھلا کہو، اس کے عقاید پر لعنت بھیجو، اس کے ایمان کا مذاق اڑاؤ، لیکن اس کے بعد اسے شراب کا ایک مٹکا یا چپاتیوں کی ایک سینی بھیج دو، وہ تم سے درگذر کرے گا اور تمہیں خدا اور اس کے بندوں کے سامنے نیکوکار و راست باز قرار دے گا۔ وہ عورت کو دیکھتا ہے تو منہ پھیر لیتا ہے اور بلند آواز میں کہتا ہے:

"مجھ سے دور رہو، اے بابل کی بیٹی!"

لیکن اپنے دل سے سرگوشی کرتا ہے:

"ازدواجی زندگی تجرد سے بہتر ہے"

وہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو کاروانِ محبت کے ساتھ جاتے دیکھتا ہے تو آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتا ہے اور چلّا کر کہتا ہے:

"یہ باطلوں کا باطل ہے۔ اس آسمان کے نیچے ہر چیز باطل ہے!"

لیکن تنہائی میں ٹھنڈا سانس بھرتا ہے اور کہتا ہے:

"خدا کرے یہ قانون فسخ ہو جائے، یہ رسمیں برباد ہو جائیں

جو مجھے دنیا کی مسرتوں سے دور رکھتی ہیں، زندگی کی لذتیں مجھ پر حرام کرتی ہیں۔"

وہ لوگوں سے بطور استشہاد کہتا ہے:

"تم کسی کا محاسبہ نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم سے باز پرس کی جائے۔"

لیکن خود ان تمام لوگوں پر نہایت بے رحمی سے فیصلے صادر کرتا ہے جو اس کی مکاریوں کے اسیر ہیں اور ان کی روحوں کو جہنم میں بھیج دیتا ہے، اس سے پہلے کہ موت، انہیں اس زندگی سے محروم کرے ——— وہ بار بار آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر تم سے گفتگو کرتا ہے۔ لیکن اس کی آنکھیں سانپ کی طرح تمہاری جیبوں کے گرد پیچ و خم کھاتی رہتی ہیں۔ وہ تمہیں "میرے بچو، میرے بیٹو!" کہہ کہہ کر پکارتا ہے۔ لیکن جذبہ پدری سے بالکل تہی دامن ہوتا ہے۔ اس کے ہونٹ طفلِ شیر خوار کے لئے کبھی تبسم آشنا نہیں ہوتے۔ اور وہ کبھی کسی بچہ کو اپنی گود میں نہیں لیتا، وہ سر ہلا ہلا کر منکسرانہ لہجہ میں تم سے کہتا ہے:

"ہمیں کائنات کی ہر چیز سے بلند ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ ہماری زندگی کہر کی طرح فنا ہو جائے گی اور ہمارے شب و روز سائے کی طرح ڈھل جائیں گے۔"

لیکن اگر تم غور سے دیکھو گے تو وہ تمہیں دنیائے حیات سے چمٹا، عمر

کے دامن سے لپٹا، کل کے گذر جانے پر متاسف، دن کی برق رفتاری سے خائف اور کل کی آمد کا منتظر نظر آئے گا ـــــــ وہ تم سے احسان چاہتا ہے حالانکہ اس کے پاس تم سے زیادہ دولت ہے۔ اگر تم اُس کی طلب پوری کر دو تو وہ تمہارے لیئے کھُلے بندوں برکت کی دعا کرے گا۔ اور اگر ٹال جاؤ تو دل ہی دل میں تم پر لعنت بھیجے گا ـــــــ ہیکل میں وہ تمہیں فقیروں اور محتاجوں کی دستگیری کی تلقین کرتا ہے۔ حالانکہ اس کے مکان کے چاروں طرف بھوکے چلّاتے ہیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے مایوسوں اور نامرادوں کے ہاتھ پھیلتے ہیں لیکن وہ دیکھتا ہے نہ سُنتا ہے وہ اپنی دعائیں بیچتا ہے، اور جو کوئی اُنہیں نہیں خریدتا، اُسے خدا اور اس کے پیغمبروں کا باغی بتاتا ہے۔ اس کے حق میں جنّت اور اس کی لذّتوں سے محرومی کا فتویٰ صادر کرتا ہے۔

عیسائیو! یہی وہ مخلوق ہے جو تمہیں ڈراتی ہے۔ فقیرو! یہی وہ راہب ہے جو تمہارا خون چوستا ہے۔ یہی وہ کاہن ہے جو دائیں ہاتھ سے صلیب کا نشان بناتا ہے اور بائیں ہاتھ سے تمہارے دلوں کو دبوچتا ہے۔ یہی وہ اسقف ہے، جسے تم خدمت کے لیئے مقرر کرتے ہو، لیکن وہ

آقا بن جاتا ہے، جیسے تم مقدس پادری بناتے ہو لیکن وہ شیطان کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جیسے تم نیابت کی عزت بخش کر بلند مرتبہ عطا کرتے ہو لیکن وہ بھاری جُوا ہو جاتا ہے۔ یہی وہ سایہ ہے جو اس دنیا میں آنے کے وقت سے لے کر ہدایت کی طرف لوٹنے تک تمہاری روحوں کے پیچھے پیچھے رہتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جو آج رات کو مجھے سزا دینے اور ذلیل کرنے آیا ہے، اس جُرم میں کہ میری روح نے مسیحؑ ناصری کے دشمنوں کے خلاف بغاوت کی ہے، جو تم سے محبت کرتا تھا، جو تمہیں اپنا بھائی کہہ کر پکارتا تھا اور جو تمہاری خاطر ہنسی خوشی سُولی پر چڑھ گیا۔

قیدی نوجوان کا چہرہ چمک اُٹھا، اسے محسوس ہوا کہ سامعین کے سینوں میں روحانی بیداری کروٹیں لے رہی ہے۔ اس نے دیکھ لیا کہ ناظرین کے چہروں پر اس کے کلام کی تاثیرات نمایاں ہیں، اس کی آواز پہلے سے بلند ہو گئی اور اس نے سلسلہ کلام جاری رکھا:

"بھائیو! تم نے سُنا ہو گا کہ امیر ابن شہابی نے شیخ عباس کو اس گاؤں کا سردار بنایا ہے اور یہ بھی تمہیں معلوم ہوا ہو گا کہ اس ملک کے فرمانروائے اعلیٰ نے امیر ابن شہابی کو اس کوہستانی مملکت کا حاکم مقرر کیا

ہے لیکن کیا تم نے اس قوت کے متعلق بھی سُنا یا اُسے دیکھا، جس نے شہنشاہ کو اس ملک کا آقائے ولی نعمت بنایا ہے؟ تم اس قوت کو مجسم نہیں دیکھ سکتے، نہ بولتے سُن سکتے ہو، لیکن اپنی روح کی گہرائیوں میں اس کا وجود محسوس کرتے ہو، عجز و انکساری کے ساتھ اس کے سامنے سربسجود ہوتے ہو اور اسے یہ کہہ کر پکارتے ہو: "ہمارا باپ جو آسمانوں میں ہے!" ہاں وہی تمہارا آسمانی باپ ہے جو شہنشاہوں اور امیروں کو مقرر کرتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ تمہارا باپ، جو تم سے محبت کرتا ہے اور اپنے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے ذریعے تمہیں حق کی راہیں دکھاتا ہے، یہ چاہتا ہے کہ تم ذلیل و مظلوم بن کر جیو؟ کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ جو بادلوں سے مینہ برساتا ہے، بیجوں سے کھیت اُگاتا ہے اور پھولوں سے پھل پیدا کرتا ہے، یہ چاہتا ہے کہ تم بھوکے اور حقیر رہو تاکہ تم میں سے صرف ایک آدمی غرور و عظمت کی زندگی بسر کرے اور دنیا کی ہر لذت سے شادکام ہو؟ کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ سرمدی روح، جو بیوی سے محبت، اولاد سے ہمدردی اور رشتہ داروں سے شفقت کا سلوک کرنا سکھاتی ہے، تم پر ایک بے رحم حاکم مسلط کرتی ہے، جو تم پر ظلم ڈھاتا ہے اور تمہارے شب و روز کو اپنا

غلام بنا لیتا ہے؟ کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ ناموسِ ازلی، جو نورِ حیات کو تمہارے نزدیک محبوب بناتا ہے، تمہیں ایک ایسے عطیہ سے نوازتا ہے، جو موت کی تاریکی کو تمہارے لئے پسندیدہ بناسکے؟ کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ فطرت نے تمہارے جسموں میں جو قوتیں ودیعت فرمائی ہیں، وہ اس لئے ہیں کہ تم کمزوری کے سامنے انہیں ذلیل کرو؟ نہیں، تم ان چیزوں پہ اعتقاد نہیں رکھتے۔ کیونکہ اگر تم ان پہ اعتقاد رکھو تو خداوندی انصاف کی تکذیب کروگے۔ حق کی روشنی سے انکار کروگے، جو تمام انسانوں پر ضوفگن ہے۔ اچھا تو پھر وہ کیا چیز ہے جس کی بنا پر تم اپنے نفس کے خلاف بے ایمانوں کا ساتھ دیتے ہو۔ اس مشیتِ خداوندی سے کیوں ڈرتے ہو جس نے تمہیں اس دنیا میں آزاد بنا کر بھیجا؟ اور ناموسِ الٰہی کے خلاف باغیوں کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں کس لئے ڈالتے ہو؟ تم کس طرح خدائے تعالیٰ کی طرف نگاہیں اٹھا کر اسے اپنا باپ کہتے ہو اور پھر کمزور انسانوں کے سامنے گردن جھکا کر اسے اپنا سردار تسلیم کرتے ہو؟ خدا کے بیٹے انسان کی غلامی پہ کیسے رضامند ہو سکتے ہیں؟ کیا تمہیں مسیح نے اپنا بھائی کہہ کر نہیں پکارا تھا؟ پھر تم شیخ عباس کو اپنا آقا کیوں کہتے ہو؟ کیا تمہیں مسیح نے حق اور روح کی روشنی میں

آزاد نہیں کرایا تھا۔ پھر امیر تمہیں ظلم و فساد کے لئے کیسے اپنا غلام بنا لیتا ہے؟ کیا مسیحؑ نے تمہارے سر آسمان کی طرف بلند نہیں کئے تھے، پھر تم انہیں زمین کی طرف کیوں جھکاتے ہو؟ کیا مسیحؑ نے تمہارے دلوں میں روشنی نہیں ٹپکائی تھی۔ پھر تم انہیں تاریکی سے کیوں گرانبار کرتے ہو؟

اللہ نے تمہاری روحوں کو اس زندگی میں تابناک شعلوں کی مثال بنا کر بھیجا ہے، جو معرفت سے پروان چڑھتی ہیں اور جن کا حسن شب و روز کے اسرار کی تلاش و جستجو سے نکھرتا ہے۔ پھر تم انہیں تباہ و برباد کرنے کے لئے خاک میں کیوں ملاتے ہو؟ اللہ نے تمہارے ذہنوں کو بازو عطا کئے ہیں کہ تم ان کے ذریعے محبت اور آزادی کی فضاء میں پرواز کرو۔ پھر تم انہیں اپنے ہاتھوں سے کیوں نوچتے ہو۔ اور کیڑے مکوڑوں کی طرح زمین کی سطح پر کیوں رینگتے ہو؟ اللہ نے تمہارے دلوں میں سعادت کے بیج ڈالے ہیں پھر تم کیوں انہیں وہاں سے نکال کر چٹیان پر ڈالتے ہو کہ کوّے نگل لیں اور ہوا کے جھونکے اڑا لے جائیں؟ اللہ نے تمہیں بیٹے اور بیٹیاں عطا فرمائیں تاکہ تم حق کی راہوں کی طرف ان کی رہنمائی کرو۔ وجود کے نغموں سے ان کے سینوں کو لبریز کرو اور زندگی کی حقیقی مسرت کو ایک گراں قدر

میراث کے طور پر، ان کے لیئے چھوڑ جاؤ۔ پھر تم انہیں زمانہ کے ہاتھوں میں مُردوں کی طرح چھوڑ کر، وطن میں بے وطن کر کے، دنیا کے سامنے بدبخت و نامراد بنا کر کیوں مر جاتے ہو؟ کیا وہ باپ جو اپنے آزاد بیٹے کے لیئے غلامی کی میراث چھوڑتا ہے، اس باپ کی مثال نہیں ہے، جس کا بیٹا اُس سے روٹی مانگے اور وہ اس کے بدلے اسے پتھر کا ایک ٹکڑا دیدے؟ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ باغوں کی چڑیاں اپنے بچوں کو اڑنا سکھاتی ہیں۔ پھر تم اپنے جگر گوشوں کو طوق و سلاسل میں جکڑے رہنے کی تعلیم کیوں دیتے ہو؟ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وادی کے پھول اپنے بیجوں کو سورج کی حرارت کے سپرد کر دیتے ہیں، پھر تم اپنے بچوں کو سرد تاریکی کے حوالے کیوں کرتے ہو؟"

خلیل تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا، گویا اس کے افکار و جذبات میں اتنی بالیدگی، اس قدر وسعت پیدا ہو گئی ہے کہ انہیں الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ اس کے بعد دھیمی آواز میں اس نے کہا:

"یہ بات، جو ابھی تم نے میری زبان سے سُنی، وہی بات ہے، جس کی بنا پر راہبوں نے مجھے نکالا تھا، اور یہ روح جسے تم اپنے دلوں میں کروٹیں لیتے محسوس کرتے ہو، وہی روح ہے جس نے میری مشکلیں کسوا کر تمہارے

سامنے کھڑا کیا ہے۔ اب اگر تمہارے گاؤں کے سردار اور تمہارے گرجا
کے پادری نے مجھ پر حملہ کیا بھی اور مجھے مار بھی ڈالا تو میں شادکام اور
کامران مروں گا۔ اس لئے کہ تم پر اس حقیقت کو واضح کر کے تمہیں ناقابل
معافی جرم سمجھتے ہیں میں نے اپنے اور تمہارے پروردگار کی مشیت
پوری کر دی۔"

حسین مرصع کلام تھا، اور اس کی بلند آواز میں ایک طلسم نغمہ تھا۔
جس کے اثر سے اسے تعجب سے دیکھنے والوں کے دلوں میں ایک بے چینی
پیدا ہو گئی تھی۔ اس غیر معمولی حیرت سے مشابہ، جو اندھے کو یک بخت آنکھیں
مل جانے پر ہوتی ہے اور جس کی حلاوت سے ان عورتوں کے ذہن مجموم رہے
تھے، جو اشک آلود آنکھوں سے اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھیں۔ لیکن
شیخ عباس اور پادری الیاس غصہ سے کانپ رہے تھے۔ کانٹوں کے بستر پہ
پڑے ہوؤں کی طرح بار بار پہلو بدل رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہ رہا
تھا کہ نوجوان کو تقریر سے روک دے۔ لیکن یہ امکان سے باہر تھا۔ کیونکہ وہ
مجمع کو اس آسمانی قوت کے ساتھ مخاطب کر رہا تھا جو اپنے ارادہ کی بنا پر آندھیا
سے اور اپنی رقت کی بنا پر موج نسیم سے مشابہ تھی۔

جب خلیل نے اپنی بات ختم کر لی تو دو چار قدم پیچھے ہٹ کر راحیل اور مریم کے پاس کھڑا ہو گیا۔ فضا پر ایک گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ گویا اس کی روح نے بھی، جو اس وسیع کمرہ کے ہر گوشہ میں منڈلا رہی تھی دیہاتیوں کی بصیرت کو ایک دور دراز مقام کی طرف پھیر دیا ہے اور شیخ اور پادری کی روحوں سے فکر و ارادہ کی ساری قوتیں چھین کر انھیں ان کے مضطرب دلوں کی پرچھائیوں کے سامنے لرزتے کانپتے کھڑا کر دیا ہے۔

اس وقت شیخ عباس کھڑا ہوا تھا، اس کے خد و خال سکڑ گئے تھے، اور چہرے پر زردی چھا گئی تھی۔ گھٹی ہوئی آواز میں اپنے گرد کھڑے ہوتے لوگوں کو اس نے للکارا:

"کتو! تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا تمھارے دل زہر آلود ہو چکے ہیں اور زندگی تمھارے جسموں میں جامد ہو کر رہ گئی ہے کہ تم اس کافر کو جو مذہب اور حکومت کا مذاق اڑا رہا ہے، پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے نہیں کر ڈالتے ——— کیا اس شیطان کی روح نے تمھاری روحوں کو گھیر لیا ہے اور اپنے جہنمی طلسم سے تمھارے بازوؤں کو جکڑ دیا ہے، جو تم اسے پیس کر نہیں رکھ دیتے"

یہ کہہ کر تلوار کھینچی جو اس کے پہلو میں تھی، اور نوجوان پر جھپٹا کہ اس کا کام

تمام کردے، لیکن مجمع میں سے ایک قوی ہیکل شخص آگے بڑھا اور دھیمے لہجہ میں کہا:

"اپنی تلوار نیام میں کر لیجیے۔ کیونکہ تلوار کا بدلہ تلوار سے دیا جاتا ہے۔"

"شیخ عباس کانپ اٹھا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ چِلّایا:

"کیا کمزور نوکر اپنے آقا کے ولی نعمت کی مزاحمت کر سکتا ہے؟"

اُس نے جواب دیا:

"نیک خادم اپنے آقا کے مظالم اور شر انگیزیوں میں اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ اس نوجوان نے سوائے حق کے کچھ نہیں کہا، اور جو کچھ ہمارے سامنے بیان کیا ہے وہ سب حقیقت پر مبنی ہے!"

دوسرا شخص آگے بڑھا اور بولا:

"اس نوجوان نے کوئی بات ایسی نہیں کہی، جس کی بنا پر اسے سزا دی جائے، پھر تم اسے کیوں ستم کا نشانہ بناتے ہو؟"

ایک عورت کی آواز بلند ہوئی:

"اس نے مذہب کو برا بھلا کہا، نہ خدا کے نام کی توہین کی۔ پھر تم اسے کافر کیوں کہتے ہو؟"

یہ سن کر راحیل کو بھی جرأت ہوئی اور اس نے بھی آگے بڑھ کر کہا:

"اس نوجوان نے جو کچھ کہا ہے ہماری زبان سے کہا ہے، اس نے ہماری مظلومی کی ترجمانی کی ہے۔ اس لئے اگر اس کے ساتھ کوئی زیادتی کرے گا تو وہ ہمارا دشمن ہوگا!"

شیخ عباس نے دانت پیستے ہوئے راحیل سے کہا:

"کمینی بیوہ! تجھے بھی سرکشی کی ہمت ہو گئی۔ کیا بھول گئی کہ آج سے پانچ برس پہلے مجھ سے بغاوت کرنے کے جرم میں، تیرے شوہر کا کیا حشر ہوا تھا؟"

یہ سن کر راحیل دفعتہً چونک پڑی اور اس شخص کی طرح شدتِ درد سے کانپنے لگی، جسے خوفناک راز معلوم ہو گیا ہو۔ مجمع کی طرف مخاطب ہو کر اس نے بلند آواز سے کہا:

"تم نے سنا، قاتل غصہ سے بے آپے ہو کر اپنے جرم کا اقبال کر رہا ہے۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ میرا شوہر کھیت میں مقتول پایا گیا تھا۔ تم نے قاتل کا لاکھ کھوج لگایا، لیکن وہ نہ ملا، اس لئے کہ اس چار دیواری میں روپوش تھا، کیا تمہیں یاد نہیں کہ میرا شوہر ایک بہادر مرد تھا، کیا تم نے اسے شیخ عباس کی مکاریوں کا ذکر کرتے، اس کی بداعمالیوں کا بھانڈا پھوڑتے، اور اس کی سنگ دلی کے خلاف بغاوت کرتے نہیں سنا، دیکھو! خدا نے تمہارے پڑوسی اور بھائی کے قاتل

کے چہرہ سے پردہ اٹھا کر اسے تمہارے سامنے کھڑا کر دیا ہے۔ اسے دیکھو! اس
کا جرم اس کے زرد چہرہ پر لکھا ہوا ہے۔ دیکھو وہ کس قدر مضطرب اور بے چین
ہے۔ غور سے دیکھو! اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں سے چھپا رکھا ہے، اس لئے کہ
اس کی نگاہ تمہاری آنکھوں پر نہ پڑ جائے، جو اس پر جمی ہوئی ہیں۔ دیکھو!
طاقت ور آقا، کچلی ہوئی ٹہنی کی طرح کانپ رہا ہے۔ دیکھو! عظیم الشان سردار
تمہارے سامنے گنہ گار غلام کی طرح لرزہ براندام ہے۔ توقع کے خلاف اللہ
نے اس قاتل کے راز فاش کر دیئے، جس سے تم خوف کھاتے ہو اور تمہیں اس
روح کی شرارتوں سے آشنا کر دیا جس نے مجھے تمہاری عورتوں میں بیوہ بنا دیا
اور میری بیٹی کو تمہاری اولاد میں یتیم!"

راحیل پکار پکار کر فریاد کر رہی تھی۔ اس کے الفاظ بجلی کی طرح شیخ عباس
کے سر پر ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ لوگوں کی چیخیں اور عورتوں کی آہیں آگ
اور گندھک کے شعلوں کی طرح اس کے دماغ کے گرد بھڑک رہی تھیں کہ
پادری اٹھا اور شیخ کا بازو پکڑ کر اسے کرسی پر بٹھا دیا۔ اس کے بعد غم و غصہ
سے لرزتی ہوئی آواز میں خادموں کو حکم دیا:

"اس عورت کو پکڑ لو، جو تمہارے سردار پر جھوٹا الزام لگا رہی ہے

اور اس کافر نوجوان کے ساتھ اسے بھی گھسیٹ کر تاریک کوٹھڑی میں ڈال دو جو کوئی تمہیں ایسا کرنے سے باز رکھے گا وہ جرم میں ان دونوں کا شریک سمجھا جائے گا اور ان کی طرح مقدس کلیسا کے داخلہ سے محروم ہو جائے گا۔

خادم اپنی جگہ سے نہ ہلے، نہ کاہن کے احکام کی انہوں نے پروا کی، بلکہ بے حس و حرکت کھڑے مشکیں کسے خلیل اور راحیل و مریم کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے، جو خلیل کے دائیں بائیں اس طرح کھڑی تھیں گویا دو بازو ہیں، جنہیں اس نے پرواز کرنے اور بادلوں تک پہنچنے کے لئے کھولا ہے۔

کاہن نے کہا، اس حالت میں کہ اس کی ڈاڑھی غصہ اور نفرت سے ناچ رہی تھی:

"کمینو! کیا تم اپنے آقا کی رحمت و برکت اور فضل و کرم سے انکار کرتے ہو۔ ایک مجرم اور کافر نوجوان اور ایک جھوٹی اور بدکار عورت کی خاطر اس کے حکم سے سرتابی کرتے ہو؟"

ایک خادم نے جو عمر میں سب خادموں سے بڑا تھا، کہا:

"ہم روٹی اور کھانے کے عوض شیخ عباس کی خدمت کرتے تھے۔ اس کے زر خرید غلام کبھی نہ تھے۔"

یہ کہا اور اپنی وردی اور سر کی شال اُتار کر شیخ عباس کے سامنے رکھ دی۔ پھر کہا:

"میں ان حقیر چیتھڑوں سے اپنے جسم کو آسائش پہنچانا نہیں چاہتا، جس کی وجہ سے میری روح قاتل کے گھر میں مبتلائے عذاب رہے!"

اور سب خادموں نے بھی اس کی تقلید کی اور کسانوں کے گروہ سے جا ملے۔ اب ان کے چہروں پر آزادی کی روشنی تھی۔

جب پادری الیاس نے یہ رنگ دیکھا اور محسوس کر لیا کہ اس کا جھوٹا اقتدار ختم ہو چکا ہے، تو اس گھڑی کو برا بھلا کہتا ہوا اس جگہ سے چلا گیا۔ جس میں خلیل نے گاؤں کی طرف رُخ کیا تھا۔

اس وقت مجمع میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور خلیل کی رسیاں کھول دیں۔ پھر شیخ عباس کی طرف دیکھا جو بے جان جسم کی طرح کرسی پر پڑا ہوا تھا۔ عزم و ارادہ سے پُر لہجہ میں اس نے شیخ کو مخاطب کیا:

"جس نوجوان کو گرفتار کر کے تم نے اس لئے بلایا تھا کہ ایک گنہگار مجرم کی طرح اسے اپنے حکم کا نشانہ بناؤ، اس نے ہمارے دلوں کو روشن کر دیا اور بصیرتوں کو حق و معرفت کی راہوں کی طرف پھیر دیا، اور وہ بدقسمت بیوہ جسے

تم جھوٹی اور بدکار کہتے ہو۔ اس نے ہم پر وہ خوفناک راز منکشف کر دیا، جو پانچ سال تک تمہاری نگاہوں سے چھپا رہا۔ ہم یہاں اس لیے دوڑے دوڑے آئے تھے کہ بے خطا کو سزا دیں اور انصاف پسند پر ظلم ڈھائیں۔ لیکن اب کہ ہماری آنکھیں کھل گئی ہیں اور خدا نے تیرے پوشیدہ جرائم اور دردناک مظالم ہم پر ظاہر کر دیئے ہیں، ہم تجھے تنہا چھوڑتے ہیں اور تجھ سے کوئی باز پرس نہیں کرتے۔ تیری انسانیت سوز حرکتوں کو نظر انداز کرتے ہیں اور تجھ سے کوئی شکایت نہیں کرتے۔ تجھے خدا کی مرضی پر چھوڑ کر تجھ سے الگ ہوتے ہیں:"

اس وقت اس وسیع کمرے میں مرد اور عورتوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔

کوئی کہہ رہا تھا:

"آؤ! ہم اس گناہوں سے بھرے ہوئے مقام سے نکل جائیں اور اپنے اپنے گھروں کی راہ لیں!"

کوئی چلّا رہا تھا:

"آؤ! اس نوجوان کے ساتھ راحیل کے مقام پر چلیں، اور وہاں اس کی تسلی بخش حکمت اور شیریں اقوال سنیں!"

کوئی بلند آواز سے کہہ رہا تھا:

ہمیں خلیل کی مرضی پر عمل کرنا چاہیئے۔ وہ ہماری ضرورتوں کو خوب جانتا ہے اور ہمارے مطالبات کو ہم سے بہتر سمجھتا ہے!"

کوئی رائے زنی کر رہا تھا:

"اگر ہم انصاف چاہتے ہیں تو کل ہمیں امیر امین کے پاس جانا اور شیخ عباس کے جرم سے اُسے مطلع کر کے مطالبہ کرنا چاہیئے کہ اسے سخت سزا دی جائے!"

کوئی چیخ رہا تھا:

"ہمیں چاہیئے کہ امیر کی خدمت میں حاضر ہوں اور گذارش کریں کہ اس گاؤں میں خلیل کو اپنا نمائندہ بنائیں!"

کوئی کہہ رہا تھا:

ہمیں اسقف سے پادری الیاس کی شکایت کرنی چاہیئے کہ وہ شیخ کے تمام اعمال میں اس کا شریک ہے!"

چاروں طرف سے یہ آوازیں اُٹھ رہی تھیں اور برق رفتار تیروں کی طرح بے قرار شیخ کے سینہ میں پیوست ہو رہی تھیں کہ خلیل نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اشارہ سے مجمع کو خاموش کر کے کہا:

"بھائیو! دیکھو اور سوچو! میں تمہیں اپنی محبت کا واسطہ دیتا ہوں کہ جلدی نہ کرو اور امیر کے پاس نہ جاؤ، وہ شیخ سے کبھی باز پرس نہ کرے گا۔ اس لئے کہ درندے ایک دوسرے کو نہیں پھاڑتے۔ اسقف سے کاہن کی شکایت کرنی بھی بے سود ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس طرح اس کا اپنا گھر برباد ہوتا ہے۔ اور امیر سے یہ گذارش بھی نہ کرو کہ وہ مجھے اس گاؤں میں اپنا امیر مقرر کرے کیونکہ امانت دار خادم بے ایمان آقا کی اعانت نہیں کر سکتا۔ اگر میں تمہاری محبت اور توجہ کے لائق ہوں تو مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دو تاکہ میں زندگی کے گرم و سرد میں تمہارے ساتھ شرکت کر دوں، اور کھیت کے کام کاج اور گھر کے آرام و راحت میں حصہ گیر ہوں۔ کیونکہ اگر میں تمہیں میں سے ایک نہ ہوا تو ان فریب کاروں کی مثال ہوں گا جو فضیلت کا لباس پہن کر بدمعاشیاں کرتے ہیں۔ اب کہ کلہاڑی درخت کی جڑ پہ رکھ دی گئی ہے، آؤ! شیخ عباس کو اس خدا کے دربار میں جس کا سورج برے اور بھلے دونوں کے لئے چمکتا ہے، خود اس کے ضمیر کی عدالت میں کھڑا ہوا چھوڑ کر یہاں سے چلیں!"

یہ کہہ کر وہ اس جگہ سے روانہ ہو گیا۔ مجمع اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ گویا

اس کی شخصیت میں ایک قوت تھی، کہ جس طرف رُخ کرتی، نگاہیں خود بخود اُدھر پھر جاتیں۔ اب وہاں شیخ عباس منہدم قلعہ کی مثال بالکل اکیلا رہ گیا۔ وہ شکست خوردہ سپہ سالار کی طرح درد سے مضطرب تھا۔ جب یہ مجمع گرجا کے میدان میں پہنچا، تو چاند شفق کے پیچھے سے طلوع ہو رہا تھا اور اپنی سیمیں شعاعیں آسمان پہ بکھیر رہا تھا۔ خلیل نے مڑ کر دیکھا، اس کی نگاہیں مردوں اور عورتوں کے چہروں پر پڑیں جو اُسے اس طرح تک رہے تھے جیسے بھیڑیں اپنے چرواہے کو تکتی ہیں۔ اس کی روح میں ایک جوش پیدا ہوا۔ گویا اُن غریب دیہاتیوں میں اسے مظلوم قوموں کی تصویر نظر آ رہی ہے، اور جمی ہوئی برف سے ڈھکی ہوئی چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں میں ذلت و بے کسی سے لبریز ملک کا عکس دکھائی دے رہا ہے۔ وہ کھڑا ہو گیا، اس پیغمبر کی طرح جو قوموں کی آہ و فریاد سُنتا ہے۔ اس کے خدوخال متغیر ہو گئے اور آنکھوں میں وسعت پیدا ہو گئی۔ گویا اس کی روح مشرق کی تمام قوموں کو ان وادیوں میں غلامی کی زنجیروں کو گھسیٹتی دیکھ رہی ہیں۔ اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور بلند آواز میں، جو موجوں کی گڑگڑاہٹ سے مشابہ تھی، چلّایا:

"اے آزادی کی دیوی! ہم ان بستیوں کی گہرائیوں سے تجھے پکار رہے ہیں۔

ہماری سُن! اس تاریکی کے ہر گوشہ سے ہمارے ہاتھ تیری طرف اُٹھ رہے ہیں۔ اُنہیں دیکھ! برف کے ان تودوں پر ہم تیرے سامنے سر بسجود ہیں، ہم پر رحم کر! تیرے پُر عظمت دربار میں ہم اپنے آباؤ اجداد کا وہ لباس پھیلائے کھڑے ہیں، جو ان کے خون میں تر بتر ہے۔ اپنے شوہروں کو ان قبروں کی مٹی سے گرد غبار کیے کھڑے ہیں، جن میں ہمارے بزرگوں کی ہڈیاں دفن ہیں۔ وہ تلواریں لئے کھڑے ہیں، جو ان کے کلیجوں میں پیوست ہوئی تھیں۔ وہ نیزے بلند کیے کھڑے ہیں، جنہوں نے ان کے سینے چاک کیے تھے، اور وہ زنجیریں لٹکائے کھڑے ہیں جنہوں نے ان کے پاؤں کو مجروح کیا تھا۔ ہمارے لبوں پر بھی وہی فریادیں ہیں، جنہوں نے ان کے گلے پھاڑ دیئے تھے، ہماری زبانوں پر بھی وہی نوحے ہیں، جنہوں نے ان کے قیدخانوں کی تاریکی کو اور زیادہ وحشتناک بنا دیا تھا۔ اور ہمارے دلوں سے بھی وہی دعائیں نکل رہی ہیں جو اُن کے دلوں کی درد آفرینیوں سے نکلتی تھیں۔ اے آزادی کی دیوی! ہماری پکار پہ کان دھر اور ہماری التجا کو شرفِ قبولیت عطا فرما! ———— نیل کے منبع سے لے کر فرات کے دہانہ تک تیرے حصول کے لئے لوگوں کی فریادیں، دوزخ کی چیخ و پکار کے ساتھ بلند ہو رہی ہیں۔ جسنزیرہ کے اطراف سے لے کر

لبنان کے قلب تک موت کی ستم آرائیوں سے لرزتے کانپتے ہاتھ تیری طرف بڑھ رہے ہیں، اور خلیج فارس کے ساحل سے لے کر صحرا کے دامنوں تک پھیلے ہوئے دلوں سے بھری ہوئی آنکھیں تیری طرف اُٹھ رہی ہیں، اے آزادی! ہماری طرف توجہ کر اور ہمیں دیکھ! ـــــ ذلّت و محتاجی کے سائے میں کھڑی ہوئی جھونپڑیوں کے گوشوں میں تیرے سامنے سینے کوٹے جاتے ہیں، جہالت و نادانی کی تاریکی سے اٹے ہوتے مکانوں کی خلاؤں میں دل تیرے قدموں پڑے جاتے ہیں۔ اور جبر و استبداد کی کہر میں لپٹی ہوئی عمارتوں کے گرد و پیش روحیں تیرے حضور فریاد کرتی ہیں، اے آزادی یہ سب کچھ دیکھ! اور ہم پر رحم کھا! ـــــ اسکولوں اور مدرسوں میں تجھے نامراد جوانی پکار رہی ہے۔ مسجدوں اور کلیساؤں میں "فراموش کردہ کتاب" تیری طرف جھک رہی ہے۔ عدالتوں اور مجلسوں میں مہمل قانون تجھ سے فریاد کر رہا ہے، رحم کر اے آزادی اور ہمیں نجات دلا! ہمارے تنگ و تاریک بازاروں میں تاجر اپنی زندگی فروخت کرتا ہے۔ تاکہ اس کی قیمت مغربی ڈاکوؤں کے حوالے کر دے اور کوئی نہیں جو اُسے سمجھائے۔ ہمارے قحط زدہ کھیتوں میں کسان اپنے ناخنوں سے زمین کھودتا اور اس میں اپنے دل کے بیج بوتا ہے۔ اسے اپنے

آنسوؤں سے سینچتا ہے، لیکن کانٹوں کے سوا کچھ حاصل نہیں کرتا اور کوئی نہیں ہے جو اُسے بتائے، ہمارے چٹیل میدانوں میں بدو ننگے پاؤں اور ننگے بدن بھوکا پیاسا چلتا ہے اور کوئی نہیں جو اس پر مہربانی کرے، اپنی زبان کو جنبش دے۔ اے آزادی آ اور ہمیں بتا!

ہماری بھیڑیں گھاس اور پھولوں کی بجائے کانٹے اور گوکھرو چرتی ہیں۔ ہمارے بچھڑے جوار کی بجائے درخت کی جڑیں چباتے ہیں، ہمارے گھوڑے جَو کی بجائے سوکھی شاخیں کھاتے ہیں، جلدی آ، اے آزادی! اور ہمیں آزاد کر!

ابتدائے آفرینش ہی سے رات کی تاریکیاں ہماری روحوں پر مسلط ہیں۔ آخر صبح کب تک ہوگی؟ ہمارے جسم ایک قیدخانہ سے نکل کر دوسرے قیدخانہ میں چلے جاتے ہیں اور قومیں ہم پر ہنستی ہمارے پاس سے گزر جاتی ہیں۔ آخر ہم قوموں کی ہنسی کب تک برداشت کریں، ہماری گردنیں ایک بھاری جوئے سے چھوٹ کر اس سے بھاری جوئے میں دب جاتی ہیں اور دنیا کی قومیں ہمیں دور سے دیکھ کر ہم پر قہقہے لگاتی ہیں، آخر ہم کب تک قوموں کے قہقہوں پر صبر کریں؛ ہمارے پاؤں ایک زنجیر سے نکل کر دوسری زنجیر میں پھنس جاتے ہیں، اور زنجیریں نہ ختم ہوتی ہیں، نہ ہم انھیں کاٹ سکتے ہیں۔

آخر ہم کب تک جئیں ——!

مصریوں کی غلامی سے لے کر بابل کے قید و بند تک، ایران کی سنگدلی تک، یونان کی خدمت گاری تک، روم کے استبداد تک، مغلوں کے مظالم تک، فرنگیوں کی طمع کاری تک —— آخر ہم جا کس طرف رہے ہیں؟ اور آخر اس دشوار گذار راستہ کا خاتمہ کب تک ہوگا؟

فرعون کی گرفت سے لے کر بخت نصر کے چنگل تک، سکندر کے ناخنوں تک ہیرودس کی تلواروں تک، نیرو کے پنجوں تک، شیطان کے دانتوں تک —— آخر اب ہم کس کے ہاتھ کی طرف جا رہے ہیں؟ اور آخر ہم موت کے قبضہ میں کب تک پہنچیں گے کہ عدم کے سکون سے راحت اندوز ہوں؟

لوگوں نے اپنے دیوتاؤں کی تعظیم و تکریم کے لئے، ہمارے بازوؤں کی ہمت سے ہیکل اور عبادت کدے بنائے۔ اُن فصیلوں اور قلعوں کی تعمیر کے لیئے ہماری پیٹھوں پر مٹی اور پتھر لادے، جو ان کی حفاظت کر سکیں، انہوں نے ہمارے جسموں کی قوت سے اہرام نصب کئے تاکہ ان کا نام ہمیشہ کے لئے باقی رہے! آخر ہم کب تک محل اور حویلیاں بناتے اور خود غاروں

اور جھونپڑیوں میں پناہ لیتے رہیں گے؟ کب تک ان کے مٹکے اور خزانے بھرتے اور خود بھس اور گندنا کھاتے رہیں گے؟ کب تک ان کے لیئے ریشم اور اُون بُنی اور خود ٹاٹ اور گدڑیاں پہنتے رہیں گے ——؟

اُنہیں کی خباثتوں اور مکاریوں سے گھر گھر میں پھوٹ پڑ گئی۔ خاندان ایک دوسرے سے بیگانہ ہو گئے اور قبیلے آپس میں لڑنے مرنے لگے! آخر ہم کب تک اس بے رحم بگولہ کے سامنے راکھ کے ڈھیر کی طرح اُڑتے اور اُس سڑی ہوئی لاش کے پاس بھوکی پرچھائیوں کی طرح گتھم گتھا ہوتے رہیں ——؟

اُنہیں کے تاج و دیہیم کی حفاظت کے لیئے، ہاں! اُنہیں کے اطمینان قلب کے لیئے، دُرزی[1] عربی کے خلاف مسلح ہو گیا۔ شیعی، سُنّی سے لڑنے پہ کمر بستہ ہو گیا۔ کُردی بدو کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گیا اور احمدی عیسائی سے مقابلہ کرنے پہ تیار ہو گیا۔ آخر ماں کے سینہ پر ایک بھائی دوسرے بھائی سے کب تک لڑتا رہے گا؟ محبوبہ کی قبر کے پہلو میں ایک ہمسایہ دوسرے ہمسائے کو کب تک ڈراتا رہے گا اور خدا کی آنکھوں کے سامنے

---

[1] ایک اسلامی فرقہ جو اسماعیلیہ سے ملتا جلتا ہے اور شام کے کوہستانی حصہ میں آباد ہے۔ (مترجم)

صلیب، ہلال سے کب تک دور رہے گی؟

اے آزادی! ہماری پکار پہ کان دھر! اور سُن! اے زمین کے باشندوں کی ماں! ہماری طرف رُخ کر اور دیکھ! ہم تیرے سوتیلے بچے نہیں ہیں۔ ہم میں سے کسی ایک فرد کی زبان سے کلام کر کہ خشک گھاس پھونس ایک ہی چنگاری سے بھڑک اُٹھتے ہیں، اپنے بازوؤں کی پھڑپھڑاہٹ سے، ہم میں سے کسی ایک مرد کی روح کو بیدار کر دے کہ بادل کے ایک ہی ٹکڑے سے بجلی نمودار ہوتی ہے، اور آنِ واحد میں وادی کی خلاؤں اور پہاڑ کی چوٹیوں کو روشن کر دیتی ہے۔ اپنے عزم و ہمت سے ان سیاہ بادلوں کو چھانٹ دے اور بجلی کی طرح گرکر، منجنیق کی طرح ان شاہی تختوں کے پایوں کو منہدم کر دے، جو خون اور آنسوؤں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہڈیوں اور کھوپڑیوں پر قائم ہیں، اور جن پہ ٹیکسوں اور رشوت کی آمدنی کا سونا چڑھا ہوا ہے ——!!

"سُن! اے آزادی! رحم کر! اے ایتھنز کی بیٹی! ہمیں نجات دلا۔ اے روماۃ الکبریٰ کی بہن! ہمیں آزاد کر۔ اے موسیٰ کی رفیقہ! ہماری امداد کر! اے محمدؐ کی محبوبہ! ہم میں سوجھ بوجھ پیدا کر۔ اے مسیحؑ کی دلہن! ہمارے دلوں کو طاقت عطا فرما کہ ہم زندہ رہ سکیں، یا ہم پہ ہمارے دشمنوں کی

گرفت اور شدید کردے کہ ہم مرجائیں اور اس عذاب سے چھوٹ کر آرام و راحت کی آغوش میں پہنچ جائیں۔"

خلیل اللہ سے فریاد کر رہا تھا اور کسانوں کی آنکھیں اُس پر جمی ہوئی تھیں۔ ان کے جذبات اس کی آواز کے نغمہ کے ساتھ اُبل رہے تھے۔ ان کی روحیں اس کے سانس کے ساتھ پرواز کر رہی تھیں اور ان کے سینے اس کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ دھڑک رہے تھے۔ گویا اس وقت خلیل کی ان لوگوں میں وہی حیثیت تھی، جو جسم میں روح کی ہوتی ہے۔ دعا ختم کرنے کے بعد وہ ان کی طرف متوجہ ہوا اور پُر سکون لہجہ میں کہنے لگا:

" آج کی رات سنے ہمیں شیخ عباس کے مکان میں اس لئے یک جا کیا تھا کہ ہم دن کی روشنی دیکھ لیں اور مظالم نے ہمیں ٹھنڈی فضا کے سامنے اس لئے کھڑا کیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے دوست ہو کر چڑیا کے بچوں کی طرح سرمدی روح کے بازوؤں تلے جمع ہو جائیں۔ چنانچہ اب چاہیئے کہ اپنے اپنے بستروں میں جا کر اس امید میں سو جائیں کہ صبح اپنے بھائیوں سے ملیں گے۔"

یہ کہا اور راحیل و مریم کے پیچھے پیچھے ان کی جھونپڑیوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس کے بعد بھیڑ چھٹ گئی اور ہر شخص اپنے اپنے گھر کی طرف چلا گیا، اُن چیزوں

پر غور کرتے ہوئے، جو اس نے دیکھی اور سُنی تھیں اور ایک نئی زندگی کے آثار محسوس کرتے ہوئے، جو اس کے باطن میں بیدار ہوئی تھی۔

ابھی ایک گھنٹہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ جھونپڑیوں کے چراغ گل ہو گئے۔ خاموشی نے اپنی چادر اس گاؤں پر ڈال دی اور خواب شیخ عباس کی رُوح کو چھوڑ کر، جو رات کی پرچھائیوں کے ساتھ جاگ رہی تھی، اپنے گناہوں کے سامنے کانپ رہی تھی، اور اپنے وسوسوں کے جنگل میں بے بس پڑی تھی کسانوں کی روحوں کو ایک ارفع و اعلیٰ طلسمی عالم میں لے گئے۔

(۸)

دو مہینے گزر گئے، اور خلیل بابا اپنی روح کے اسرار سے دیہاتیوں کے دلوں کو آشنا کرتا رہا۔ ان کے حقوق و واجبات کے نازک پہلو ہر روز اُن سے بیان کرتا رہا، لالچی راہبوں کی زندگی کا نقشہ ان کے سامنے کھینچتا رہا۔ ظالم حاکموں کے واقعات اُن کے سامنے دہراتا رہا، اپنے اور اُن کے جذبات میں ایک قوی رابطہ پیدا کرتا رہا، جو اُن سرمدی قوانین سے مشابہ تھا۔ جن کی خصوصیات ہیں کہ ایک جسم کو دوسرے جسم سے باندھ دیتے ہیں۔

کسان ان کی باتیں سُن کر اس طرح خوش ہوتے، جیسے پیاسا کھیت مینہ برسنے سے خوش ہوتا ہے، اور تنہائی کے لمحوں میں اس کی باتوں کو دُہرا دُہرا کر

اس کے مقاصد کی روح کو اپنی محبت کے جسم کا لباس پہناتے، وہ پادری الیاس سے بالکل بے خوف وبے پروا تھے، جو اپنے حلیف شیخ عباس کا جرم ظاہر ہونے کے بعد سے، ان کے پاس آنے جانے لگا تھا۔ اب وہ ان سے ایسی نرمی سے پیش آتا، جیسے موم۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ سنگِ مرمر سے بھی زیادہ سخت تھا۔

لیکن شیخ عباس کی روح کو ایک ایسا عارضہ لاحق ہوگیا تھا، جسے جنون سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مکان کے کمرہ میں قیدی چیتے کی طرح گشت کرتا اور اپنے خادموں کو بلند آواز سے بلاتا۔ لیکن دیواروں کے سوا کوئی اُسے جواب نہ دیتا۔ وہ گڑگڑا گڑگڑا کر اپنے آدمیوں کو پکارتا لیکن کوئی نہ آتا۔ سوائے اس کی غریب بیوی کے، جسے اس کی اُن بدمزاجیوں نے وقت سے پہلے بڑھیا بنا دیا تھا، جو ظلم و جور کی شکل میں بے مایہ کسان برداشت کرتے تھے۔

جب رمضان کا مہینہ آیا اور فطرت نے آمدِ بہار کا اعلان کیا تو موسمِ سرما کے بگولوں کے ساتھ شیخ عباس کی زندگی بھی ختم ہوگئی۔ وہ ایک خوفناک اور درد انگیز نزع کی کشمکش میں مبتلا ہو کر مرا، اور اس کی روح اپنے اعمال کے پشتارہ کو ساتھ لے کر پرواز کر گئی، تاکہ اس تخت کے سامنے عریاں جا کھڑی ہو،

جس کے وجود کو ہم محسوس تو کرتے ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے۔

کسانوں میں اس کی موت کے متعلق مختلف رائیں تھیں، چنانچہ کوئی کہتا:

"اس کی عقل جاتی رہی تھی اور دیوانگی کی حالت میں مرا ہے!"

اور کوئی کہتا:

"اپنے مرتبہ سے گرنے کے بعد مایوسی نے اس کی زندگی کو مسموم کر دیا اور اس نے خودکشی کر لی!"

لیکن وہ عورتیں، جو تعزیت کے لئے شیخ عباس کی بیوی کے پاس گئی تھیں۔ انہوں نے واپس آکر اپنے شوہروں کو بتایا کہ "خوف و دہشت سے مرا ہے۔ آدھی رات گئے سمعان کی روح خون میں لتھڑے ہوئے کپڑے پہنے اس کے سامنے آتی اور نہایت بے رحمی و نفرت کے ساتھ اسے اس مقام پر لے جاتی تھی جہاں سمعان پانچ برس پہلے مقتول پایا گیا تھا۔

اپریل کے بہار آفریں مہینہ نے اس گاؤں کے باشندوں پر اس محبت کا راز فاش کر دیا، جو خلیل اور راحیل کی بیٹی مریم کے دلوں میں پوشیدہ تھی، ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے: اور دل وفورِ مسرت سے ناچنے

لگے۔ اب اُنہیں اس نوجوان کے چلے جانے کا خوف نہ رہا، جس نے اُن کے دلوں کو بیدار کر کے ایک ایسے دائرہ میں پہنچا دیا تھا، جو اُن کے مرکز کے اعتبار سے کہیں وسیع اور بلند تھا۔ وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے کہ نوجوان اُن میں سے ہر ایک کا قریبی ہمسایہ اور محبوب داماد ہو گیا تھا۔

جب فصل کاٹنے کا زمانہ آیا، تو کسان کھیتوں میں گئے اور اناج خرمنوں کی شکل میں جمع کیا۔ اب شیخ عباس وہاں نہ تھا، جو ان کا غلّہ ان سے چھین کر اپنے گودام بھرتا۔ بلکہ ہر ایک کسان اس کھیت کی پیداوار کا خود مالک تھا۔ جو اس نے بویا جوتا تھا۔ چنانچہ اس فصل میں ساری جھونپڑیاں گیہوں، شراب اور تیل سے لبریز ہو گئیں۔

خلیل اب بھی کسانوں کے رنج و راحت میں حصہ لیتا رہا، اور غلّہ جمع کرنے، انگوروں کا رس نچوڑنے اور پھل توڑنے میں ان کا ساتھ دیتا رہا۔ اب اس گاؤں میں کوئی نہ تھا، جو محبت اور گرمجوشی کے سوا کسی پر فوقیت جتاتا ہو۔

اس وقت سے لے کر آج تک اس گاؤں کا ہر کسان خوشی خوشی اُس کھیت کی پیداوار حاصل کرتا ہے، جس پر اس نے اپنی محنت صرف

کی ہے اور اطمینان سے اُس باغ کے پھل جمع کرتا ہے، جسے اُس نے اپنی قوّتِ بازو سے سینچا ہے، اب زمین اس شخص کی ملکیت ہے، جو اُسے بوئے، اور باغ اس شخص کا حصّہ ہیں، جو انہیں لگائے، اور ان کی نگرانی کرے۔

اور اب کہ اس واقعہ کو گزرے پچاس برس ہو چکے ہیں اور بیداری نے اہلِ لبنان کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ جب کوئی مسافر صنوبر کے جنگل کی طرف جانے والی سڑک پر سے گزرتا ہے، تو کھڑا ہو جاتا ہے، اور اس گاؤں کی خوبیوں کو غور سے دیکھنے لگتا ہے، جو وادی کے کنارے دلہن کی طرح بنا سنورا نظر آتا ہے۔ اس کی جھونپڑیاں اب خوبصورت گھروں میں تبدیل ہو گئی ہیں جن کے چاروں طرف سرسبز چراگاہیں اور ہرے بھرے باغ ہیں۔

اگر اس گاؤں کے کسی باشندہ سے شیخ عباس کے متعلق پوچھا جاتا ہے، تو وہ ایک ٹوٹے ہوئے پتھر اور گری ہوئی دیواروں کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے:

"یہ شیخ عباس کا محل ہے اور یہ اس کی تاریخِ زندگی ہے!"

اور اگر خلیل کے متعلق دریافت کیا جاتا تو آسمان کی طرف اپنا ہاتھ اٹھا کر جواب دیتا ہے:

"ہمارا نیک دل اور پاک باز خلیل وہاں رہتا ہے، لیکن اس کی تاریخ حیات، ہمارے بزرگوں نے شعاعی حروف میں ہمارے صفحاتِ قلب پہ لکھی ہے، جسے شام و سحر کی گردشیں محو نہیں کر سکتیں!"

خلیل جبران خلیل کی دوسری تصانیف

اشک و تبسم	ترجمہ حبیب اشعر	۴٫۵۰
دلھن کی سیج	,,	۳٫۵۰
ٹوٹے ہوئے پر	,,	۲٫۵۰
نیا زمانہ	,,	۲٫۵۰
شعلے اور آنسو	,,	۲٫۵۰
طوفان	,,	۳٫۵۰
شیطان	,,	۳٫۵۰
النبی	,,	۳٫۰۰
دیوانہ	,,	۲٫۵۰
پرچھائیں	,,	۲٫۵۰
ریت اور جھاگ	,,	۲٫۰۰

مفصل فہرست طلب کریں

آئینۂ ادب ، چوک مینار، انارکلی ، لاہور

ورجینا

میں نے ورجینا ناول پڑھا ۔ یہ مختصر سی کتاب جس میں سچی محبت کی بڑی دل گداز تصویر کھینچی گئی ہے ۔ میرے خیال میں سلاطین زادوں کی نصیحت کے لئے ایک گراں قیمت صفحہ ہے جسے سولہ برس ہوئے انسانی تاریخ کے بیچ میں سے پھاڑ کے نہایت عفت و پاکیزگی کے ساتھ ، آنکھوں سے لگا تار بہنے والے آنسوؤں کی صورت میں محفوظ کر دیا گیا ہے ۔

— خلیل جبران

آئینۂ ادب لاہور

طباعت سرورق رپن پریس لمیٹڈ لاہور